ایٹمی صلاحیت، قومی سلامتی اور مستقبل کا چیلنج

منشورات

اگست 1998

فیسر خورشید احمد

profkhurshidahmad.com all rights reserved

ایٹمی صلاحیت، قومی سلامتی

اور

مستقبل کا چیلنج

پروفیسر خورشید احمد

منشورات

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور 54570، فیکس: 042-7832194

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان ہی نہیں، پوری ملت اسلامیہ کی تاریخ میں، ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کا دن ایک یادگار حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ اور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ کی طرح یہ دن بھی ہماری تاریخ کے اوراق میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ ہم نے بجا طور پر اور بڑے حوصلے سے ہر طرح کے دباؤ، دھمکیوں اور اس کے ساتھ ساتھ وعظ و نصیحت اور چکنی چپڑی باتوں کو نظرانداز کر دیا۔ حکومت، فوجی قیادت اور سائنس دانوں کی باہمت ٹیم نے بڑی جرات سے ۲۸ مئی کو پانچ اور ۲۹ مئی کو مزید ایک دھماکا کر کے، امت مسلمہ کی تاریخ میں ایک نیا، روشن اور باوقار باب رقم کیا ہے:۔

قوم نے توڑ کے ایک کہنہ نظام آج کے دن
لی ہے ہاتھوں میں مقدر کی زمام آج کے دن

پاکستان کا، پہلے مسلمان ملک کی حیثیت سے، ایٹمی صلاحیت کا مظاہرہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں، یہ محض بھارت کے نہلے پر دہلے (tit for tat) کی حیثیت بھی نہیں رکھتا، یہ کوئی جذباتی فیصلہ اور محض انا کا اظہار بھی نہیں تھا۔ یہ تو ایک تاریخ ساز اقدام ہے جس کے بڑے دور رس فکری، سیاسی، معاشی اور تہذیبی اثرات ہو سکتے ہیں مگر یہ اسی وقت ممکن ہے جب اس کے فطری تقاضوں کو کماحقہ پورا کیا جائے۔ ہم اہل پاکستان کی عظیم اکثریت کے دلی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں، جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم اس تاریخ ساز اور جرات مندانہ اقدام کے برسوں سے منتظر چلے آ رہے تھے۔ وقت کی ضرورت ہے کہ اس عظیم کارنامے کو محض وقتی مصالح اور معاشی اور مالی زیروبم کی میزان پر نہ تولا جائے بلکہ تاریخ کے موجودہ مرحلے اور عالمی تناظر میں اس کی اصل قدر و قیمت کا پورا پورا احساس کیا

جائے۔ نیز مستقبل کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے صحیح حکمت عملی وضع کی جائے اور پوری قوم کو اس کے حصول کی جدوجہد میں شریک کیا جائے' تاکہ اقبال کا یہ خواب پورا ہو سکے کہ ؎

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تن نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!!

مغرب کے ردعمل کا پس منظر

سب سے پہلے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جس طرح بارود کی دریافت' صنعتی انقلاب' مشینی صنعت اور بڑے پیمانے کی نئی ٹکنالوجی کے ظہور' تیز رفتار زمینی' سمندری اور ہوائی سواری کے استعمال' عالمی سرمایہ کاری اور بین الاقوامی تجارت کے ذریعے معاشی اور سیاسی انقلابات کی راہ ہموار کی گئی اور گذشتہ پانچ صدیوں میں مغربی اقوام کو عالمی سطح پر غلبہ اور قوت حاصل ہوئی ہے' اسی طرح بیسویں صدی کے نصف آخر میں کچھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن کے صحیح شعور و ادراک کے بغیر امت مسلمہ کے لیے اپنے مستقبل کی شیرازہ بندی مشکل ہے۔

ہم ان میں سے چند اہم ترین پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اول: تہذیبی اور معاشی غلبے کی ہوس: انیسویں صدی کی بڑی عالمی استعماری طاقتیں (برطانیہ' فرانس' اٹلی' اسپین' ہالینڈ اور پرتگال)' بیسویں صدی کے پہلے نصف میں آہستہ آہستہ اپنی بالادستی کھو بیٹھیں اور ان کی جگہ امریکہ اور اشتراکی روس دو عالمی قوتوں کی حیثیت سے ابھرے۔ اس طرح دو قطبی دنیا (bipolar world) وجود میں آ گئی۔ بیسویں صدی کے اختتام تک روس بھی عالمی قوت کی حیثیت سے دم توڑ گیا۔ جرمنی اور جاپان' معاشی طور پر دو اہم ترین کامیاب ممالک کی حیثیت سے ابھرنے کے باوجود' ایک عالمی قوت کا مقام حاصل نہیں کر سکے۔ یورپ یورپی اتحاد کی صورت میں اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہا ہے لیکن ابھی تک نہ اپنی شیرازہ بندی مکمل کر

سکا ہے اور نہ امریکہ کی دفاعی چھتری ہی سے مستغنی ہو سکا ہے۔ جاپان دنیا کی دوسری مضبوط ترین معاشی قوت ہونے کے باوجود' معاشی اور سیاسی حیثیت سے اپنے وجود کو تسلیم نہیں کروا سکا' بلکہ گذشتہ پانچ سال سے شدید اندرونی خلفشار کا شکار ہے اور اب کرنسی کے شدید بحران کی زد میں ہے جو اس کے عالمی کردار کو محدود کر رہا ہے۔

اس تناظر میں امریکہ واحد عالمی طاقت کی حیثیت اختیار کر گیا ہے اور یہی اس کا اصل ہدف بھی تھا اور ہے۔ ایک عرصے سے عالمی سیاست کا سارا دروبست کچھ اس طرح تشکیل دیا جا رہا ہے کہ مستقبل میں کوئی دوسری قوت نہ ابھر سکے۔ جہاں کہیں طاقت کا کوئی نیا مرکز رونما ہونے لگتا ہے' اسے کمزور کرنے اور اس کا شیرازہ منتشر کرنے کے لیے' ہر میدان میں کام شروع ہو جاتا ہے۔ تیانامن اسکوائر کے واقعے کو بنیاد بنا کر چین کے گرد دائرہ تنگ کرنا' جاپان کا معاشی بحران' مشرقی ایشیا کے ابھرتے ہوئے اقتصادی شیروں (tigers) کا شکار' افریقہ کی ترقی کے خوابوں کا چکنا چور ہونا' مشرق وسطیٰ کے تیل کی قوت کا پانی ہو جانا' اور ۱۹۹۱ کی جنگ خلیج' یہ سب اسی امریکی کھیل کے کرشمے ہیں۔

امریکہ کے چوٹی کے مفکر جو خارجہ پالیسی پر اثرانداز ہوتے ہیں' ایک عرصے سے ایک عالمی قوت کی بالادستی اور ایک نظریے کے استیلا کا تصور پیش کر رہے ہیں۔ ان میں کسنجر سے لے کر بریزنسکی' ہنٹنگٹن' فاکویاما اور نائی جونیر جیسے نام شامل ہیں۔ متعدد امریکی صدور' خصوصیت سے کارٹر' ریگن' بش اور کلنٹن وقتاً فوقتاً اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ اور فوجی اسٹیبلشمنٹ کے لیے جو خطوط کار (guidelines) جاری کرتے رہے ہیں' وہ اسی فکر پر مبنی ہیں۔ ان کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ امریکہ کے مقابلے میں کسی متبادل عالمی قوت کو اب یا مستقبل میں' مغربی یورپ' ایشیا اور سابق روس کے علاقوں سے نہ ابھرنے دیا جائے۔ پیٹرک ٹیلر کے الفاظ میں:

To ensure that no rival super power is allowed to emerge in Western Europe, Asia or the territory of the former Soveit Union".

(بحوالہ Bush's Global Backyard از فاکویاما' دی گارڈین' لندن' ۹ ستمبر ۱۹۹۲)

اس سلسلے میں امریکہ کا ہدف صرف اپنے مفاد کا تحفظ ہی نہیں ہے بلکہ دوسرے ممالک کو اس حد تک مجبور کر دینا ہے کہ وہ خود اپنے مفاد کے تحفظ کے لیے بھی امریکہ کے دست نگر ہوں۔

پیٹرک ٹیلر نے نیویارک ٹائمز میں، مارچ ۱۹۹۲ میں، ان صدارتی ہدایات پر مبنی ایک مضمون شائع کیا ہے۔ ان رہنما اصولوں کا ماحصل یہ ہے کہ:

امریکہ کو ایک ایسے نئے نظام کے قیام اور تحفظ کے لیے بہ طور قائد آگے بڑھنا چاہیے جو دوسروں کو یہ یقین دلائے کہ انھیں اپنے جائز مفادات کے تحفظ کے لیے بھی، زیادہ جارحانہ انداز اختیار کرنے، یا زیادہ اہم کردار ادا کرنے کا خیال دل میں نہیں لانا چاہیے۔

اس سلسلے میں امریکی صدر کی دفاعی پالیسی کے رہنما خطوط

Defence Policy Guidelines

(DPG - کا یہ جملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے:

یہ ہمارے یا دوسری جمہوریتوں کے مفاد میں نہیں ہے کہ پہلے زمانے کی طرف لوٹ جائیں، جب متعدد فوجی طاقتیں ایک دوسرے کے خلاف توازن پیدا کرتی تھیں، جسے ایک سلامتی کا نظام کہا جا سکتا تھا جب کہ علاقائی یا عالمی امن خطرے میں ہوتا تھا۔

اس دستاویز میں اس بات کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ صرف کثیر قطبی (multi-polarity) ہی کا خاتمہ کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کے ذریعے اجتماعی سلامتی (collective security) کے نظام کو بھی بدلنے کی ضرورت ہے، تاکہ اصل مرکز اقوام متحدہ نہیں، امریکہ اور صرف امریکہ ہو۔ اگرچہ اقوام متحدہ کو شریک کیا جائے مگر ایک معاون کی حیثیت سے، نہ کہ ایک مرکزی فیصلہ کن قوت کے طور پر۔ فاکویاما کے الفاظ میں:

دفاعی پالیسی کے لیے امریکی صدر کے راہنما خطوط (DPG)، امریکہ کی اقوام متحدہ کے ذریعے اجتماعی سلامتی کو اہمیت دینے کی جنگ عظیم کے بعد کی روایت' سے مکمل انحراف کا آئینہ دار تھے۔ اقوام متحدہ' جنگ خلیج میں امریکہ کے یک طرفہ اقدامات کے لیے محض دکھاوا (window dressing) تھی۔ اگر اسے امریکی قیادت حاصل نہ ہوتی تو یہ بالکل بے اثر (impotent) ہوتی۔ جیسا کہ DPG میں خود تسلیم کیا گیا ہے کہ اقوام متحدہ کے ذریعے اجتماعی اقدام امریکی قیادت کا متبادل نہیں بلکہ اضافی (complement) تھا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ امریکہ کا اصل منصوبہ 'دوسرے تمام ممالک کو عسکری' معاشی' سیاسی اور تہذیبی اور ثقافتی طور پر اتنا مغلوب اور غیر موثر بنا دینا ہے' کہ وہ اس کی بالادستی کو طوعاً و کرھاً قبول کرلیں۔

دوم : مسلم قوت سے اندیشے : اس پس منظر میں' عالم اسلام کی آزادی اور ۵۶ آزاد مسلمان ملکوں کا وجود میں آنا' مشرق وسطیٰ میں تیل کی قوت کی بنیاد پر نئی معاشی قوت کا حصول' جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان ممالک کا معاشی قوت کی حیثیت سے ابھرنا' حتیٰ کہ جرمنی' جاپان' چین اور کوریا کا معاشی قوت کی حیثیت سے ترقی کرنا' امریکہ کے اس نقشہ جنگ میں' کباب میں ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے انھیں قابو کرنا' کمزور اور غیر مستحکم رکھنا اور اس کے لیے نت نئے حربے اختراع کرنا' نئی عالمی سیاست کا لازمی حصہ ہیں۔

سوم : ٹکنالوجی کی اہمیت : بیسویں صدی کے آخری نصف میں' ٹکنالوجی کے میدان میں' کچھ ایسی ترقیاں ہوئی ہیں جو ایک طرف امریکہ کی اس بالادستی کو قائم کرنے کا موثر ذریعہ بنی ہیں تو دوسری طرف ان کے عام ہونے کا خطرہ اور امکان بھی پیدا ہو گیا ہے اور یہ امریکہ کی عالمی بالادستی کے لیے چیلنج پیدا کر سکتی ہیں۔ اس سلسلے میں ایٹم کے انتشار سے پیدا ہونے والی قوت' میزائل کے کم خرچ' موثر اور دور مار ہتھیار کی صلاحیت اور کمپیوٹر ٹکنالوجی کے ذریعے علم کے حصول' ارتکاز اور ابلاغ کے انقلابی امکانات نے' رواں صدی کے ان آخری برسوں میں' ملکوں اور قوموں کی صلاحیت کار' پیداوار دولت اور

توازن قوت' سب کا نقشہ بدل کر رکھ دیا ہے اور آنے والی صدی میں یہ نقشہ مزید تبدیل ہو گا۔

ان تینوں صلاحیتوں سے آراستہ ہونے کے لیے' اس پورے تاریخی عمل سے گزرنا ضروری نہیں جس سے آج کے ترقی یافتہ ممالک' دو صدیوں میں گزرے ہیں۔ ان کے استعمال کے لیے' اتنی مالی صلاحیت بھی درکار نہیں جو مغرب نے اپنی قوت اور سطوت کے قیام کے لیے صرف کی ہے۔ ان کے ذریعے وقت کی قوتوں کو چیلنج کرنے کے لیے مساوی قوت کی بھی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لیے صرف ایک نہایت ضروری موافق ترین (critical optimum) صلاحیت درکار ہے اور پھر یہ صلاحیت روایتی اسلحہ کی ساری قوت کو غیر موثر بنا دینے' اور جنگ اور قوت کے استعمال کو خارجہ پالیسی کے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کو کچھ موثر کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور مغربی اقوام ان صلاحیتوں کے پھیلاؤ کے بارے میں اتنی حساس ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ ایک طرف ان پر امریکہ کی اجارہ داری قائم و مستحکم رہے اور دوسری طرف عالمگیریت (globalization) کے نام پر' قوت کے موجودہ عدم توازن کو دوام بخشنے کی جارحانہ جدوجہد کی جائے۔ سارا کھیل ہی یہ ہے کہ عسکری' معاشی و مالی' علمی و سائنسی قوت امریکہ اور اس کے حلیفوں کے ہاتھوں میں مرکوز رہے اور دشمن مقابلے پر نہ آسکیں۔ ایک طرف ایٹمی ٹکنالوجی' اعلیٰ قوت کے حامل کمپیوٹر' میزائل اور اسی نوعیت کی صلاحیت کار دوسری اقوام کو حاصل نہ ہو اور دوسری طرف عالمی سرمایہ اور تجارت کو' ملٹی نیشنل کارپوریشنوں اور مغربی افکار و ثقافت کو' وسائل سے مالا مال غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز) کے ذریعے' نئے استعمار کی بالادستی (hegemony) کا تانا بانا بننے کے لیے استعمال کیا جائے۔

امریکہ کے امتیازی ہتھکنڈے: پاکستان کے جوہری تجربات پر جو عالمی واویلا ہے' اسے سمجھنے کے لیے' امریکی عالمی نظام کے ان خدوخال کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس پس منظر سے صرف نظر کر کے جو بھی حکمت عملی بنائی جائے گی' وہ نہ صرف غیر حقیقت پسندانہ ہو

گی بلکہ مہلک (suicidal) بھی ہو سکتی ہے۔

اس عالمی تناظر میں جس بات کو سمجھنا بے حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان اور امت مسلمہ کو' اپنے حقیقی مقام سے محروم رکھنے اور ان کے تاریخی کردار کو سبوتاژ کرنے میں' صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ بھارت اور اسرائیل بھی ایک خاص کردار ادا کر رہے ہیں۔ اس پہلو کو بھی صحیح طور پر سمجھے بغیر کوئی مناسب حکمت عملی وضع نہیں کی جا سکتی۔

بظاہر پچھلے پچاس سال میں' امریکہ اور پاکستان کی دوستی ہماری خارجہ اور دفاعی پالیسی کا مرکزی ستون رہی ہے۔ پاکستان کے پہلے وزیر اعظم جناب لیاقت علی خان کا روس کے مقابلے میں امریکہ کا دورہ' محمد علی بوگرہ کے زمانے میں امریکہ کے عالمی دفاعی نظام میں پاکستان کی شرکت' امریکی امداد کی زنجیروں کو تحفظ سمجھ کر اپنے کو پابند سلاسل کر لینا' جنرل ایوب خان کا بحیثیت سربراہ فوج (۱۹۵۲) امریکہ سے دفاعی رشتے کو استوار کرنا اور پھر ۱۹۵۸ میں برسر اقتدار آ کر ملک کو امریکی حکمت عملی کا حاشیہ بردار بنا دینا--- وہ اقدامات ہیں' جو ہماری خارجہ اور دفاعی سیاست کے اصل صورت گر رہے ہیں۔ بعد کے نشیب و فراز اپنی جگہ' مگر امریکہ پر ہمارا انحصار اور بحیثیت مجموعی امریکی عالمی سیاست میں اس کا حلیف ہی نہیں بلکہ بے دام پٹھو ہونا' ہماری پہچان بن گئے۔ لیکن اگر گہری نظر سے حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ دوستی بڑی حد تک یک طرفہ تھی۔ امریکہ نے ہمیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا اور ملک میں ایک ایسا مفاد یافتہ طبقہ پروان چڑھایا جو شعوری یا غیر شعوری طور پر' اس کے آلہ کار کی حیثیت سے قوت و اقتدار کے اعصابی مراکز پر قابض رہا۔ مگر اس سب کے باوجود امریکہ نے کبھی ہمارے مفاد کو عزیز نہیں رکھا بلکہ آزمائش کی ہر گھڑی میں' ہم سے بے وفائی کی۔ ستم یہ ہے کہ اس کے علی الرغم' یہ برسر اقتدار طبقہ' امریکہ ہی کی حاشیہ برداری کرتا رہا اور کر رہا ہے۔

امریکہ بھارت سرگرم تعاون : کشمیر کے مسئلے پر ایڈمرل نمٹز اور ڈکسن نے صاف الفاظ میں اعتراف کیا کہ بھارت اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل کرنے میں اصل رکاوٹ ہے مگر اس پر کوئی موثر دباؤ نہ ڈالا گیا۔ ۱۹۶۲ میں جب بھارت نے امریکہ کی شہ پر

چین پر حملہ کیا اور منہ کی کھائی تو صدر کینیڈی نے پاکستان کو اسلحہ اور پرزوں کی رسد روک دی، کشمیر پر کارروائی کرنے سے منع کیا، بھارت کے نام نہاد غیر جانب دار ملک ہونے کا ڈھونگ برقرار رکھتے ہوئے اس کی دفاعی مدد کی اور چین کے مقابلے پر اسے تیار کرنے کے لیے، آج تک اسے ہر سہولت دے رہا ہے۔ بھارت کی ایٹمی صلاحیت کو فروغ دینے میں امریکہ، کینیڈا اور اسرائیل کا کلیدی کردار ہے۔ کارٹر سے لے کر کلنٹن تک تمام امریکی صدور نے ۱۹۷۴ کے جوہری دھماکے کے باوجود بھارت کی بھرپور مدد کی ہے، اور اسے ایٹمی ری ایکٹروں سے لے کر بھاری پانی (heavy water) کی رسد اور اعلیٰ صلاحیت کے کمپیوٹرز تک فراہم کیے ہیں۔ فنی ماہرین کے میدان میں بھی معاونت جاری رہی ہے۔ ایک طرف "دوست" پاکستان پر معاشی و فوجی پابندیاں رہی ہیں تو دوسری طرف "غیر وابستہ" اور "روس نواز" بھارت کو ہر طرح کے الطاف و عنایات سے نوازا جاتا رہا۔

ناقابل تردید حقائق گواہ ہیں کہ بھارت نے ۱۹۵۵ میں، امریکہ کے "ایٹم برائے امن پروگرام" کے سائے تلے، امریکہ اور کینیڈا سے جوہری ٹکنالوجی اور جوہری مواد حاصل کیا۔ ۱۹۷۴ کے بھارتی دھماکے میں استعمال کیا جانے والا پلاٹونیم، بمبئی کے قریب ٹرامبے کے ری پراسیسنگ پلانٹ سے حاصل کیا گیا جو امریکہ کی امداد، فنی تعاون اور مردان کار کی مدد سے تعمیر کیا گیا۔ ۱۹۷۴ کے دھماکے کے بعد بھارت کے خلاف کوئی اقدام نہیں ہوا بلکہ مراعات کی بارش اور تعاون جاری ہے۔

خود امریکی ذرائع، جن میں کارنیگی فاؤنڈیشن کی رپورٹوں سے لے کر کانگرس کی ڈیفنس اور انٹیلی جنس کمیٹیوں کی کارروائیاں، اخباری مضامین اور تحقیقی کتب شامل ہیں، کم از کم گذشتہ ۱۵ سال میں بار بار یہ اطلاع دیتے رہے ہیں کہ بھارت کے پاس ۳۵ سے ۶۵ جوہری بم اور مزید ۱۰۰ سے ۲۰۰ بم بنانے کا تیار شدہ مواد موجود ہے۔ اور اب جون ۱۹۹۸ کے جینز انٹیلی جنس ریویو (Jane's Intelligence Review) کے مطابق، اگر اس تمام جوہری مواد (بہ شمول تجارتی مقاصد کے لیے تیار کردہ مواد) کا جائزہ لیا جائے جو ٹرامبے اور دھروا کے ریسرچ ری ایکٹرز سے تیار ہوا ہے تو، Weapon-Grade Plutonium

(ایٹمی اسلحہ سازی کے لیے درکار پلوٹونیم) کا ذخیرہ ۳۹۰ سے ۴۷۰ ایٹم بم بنانے کے لیے کافی ہے۔ اگر اس صلاحیت کا موازنہ واشنگٹن کی نیشنل ریسورس ڈیفنس کونسل کی دسمبر ۱۹۹۶ تک کی معلومات پر مبنی رپورٹ سے کیا جائے تو یہ صلاحیت برطانیہ، چین اور فرانس کی جوہری صلاحیت سے قریب تر ہے۔ جس کی رو سے برطانیہ ۲۶۰ جوہری بم، چین ۴۰۰ جوہری بم اور فرانس ۴۵۰ جوہری بم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جینز انٹیلی جنس ریویو (جون ۱۹۹۸) کے مطابق، ۱۱ مئی ۱۹۹۸ کے بھارتی دھماکے میں استعمال ہونے والا مواد (Tritum)، بھابھا اٹامک سینٹر بمبئی سے حاصل کیا گیا تھا جو ۱۹۹۲ میں بڑی طاقتوں کی مدد سے قائم کیا گیا۔ اسی طرح ناقابل تردید ذرائع کی شہادت ہے کہ ۱۱ اور ۱۳ مئی کے دھماکوں میں انھیں داغنے (firing system) کی صلاحیت کو بھی آزمایا گیا۔ کم وقت میں متعدد دھماکوں کو ممکن بنانے کا یہ سسٹم، اسرائیل نے امریکہ کی آشیرباد سے فراہم کیا۔

۱۹۹۵ میں امریکی صدر کی خصوصی اجازت سے، امریکہ سے بھاری پانی کھلے بندوں بھارت کو فراہم کیا گیا۔ نیز اعلیٰ صلاحیت کے کمپیوٹر دیے گئے جن کا بھارتی بم اور میزائل کے بنانے میں کلیدی کردار رہا۔ اس طرح بھارت کے نیوکلیر سائنس دان، بشمول ڈاکٹر عبدالکلام، امریکہ میں ایٹمی ریسرچ کے اداروں سے وابستہ رہے اور مسلسل ان کے پروگراموں میں شریک رہے۔ ۱۹۷۰ اور ۱۹۸۰ میں، ایک ہزار ایک سو بھارتی سائنس دانوں اور انجینئروں نے امریکہ کے ایٹمی ریسرچ اداروں یا ری ایکٹروں میں تربیت حاصل کی ہے۔

بھارت کا پہلا نیوکلیر ری ایکٹر، کینیڈا کے ڈیٹیریم یورینیم ری ایکٹر کی مدد سے بنا۔ جنرل الیکٹرک نے یورینیم افزودگی کا ری ایکٹر، فرانس کے مقابلے میں دو تہائی قیمت، ۱۳۶ ملین ڈالر پر فراہم کیا۔ اس طرح شمال میں تاراپور کا ایٹمی پاور اسٹیشن وجود میں آیا اور فلاڈلفیا کی کلجیان (Kuljian) کارپوریشن، واشنگٹن کی نیوکلیر یوٹیلٹی سروس اور امریکہ کی دفاعی تعمیرات کی ماہر فرم بیچٹل (Bechtel) کارپوریشن کے عملی تعاون اور یو ایس ایڈ کے فراہم کردہ ۸۰ ملین ڈالر کی امداد سے یہ ادارہ قائم ہوا۔ نیز امریکہ کے جوہری توانائی کے کمیشن

نے آغاز کار کے لیے ۱۴.۵ ڈالر مالیت کا ابتدائی افزودہ یورینیم فراہم کیا۔

تارا پور کے ری ایکٹر پر کام' امریکی امداد سے ۱۹۶۵ کی جنگ سے ایک سال پہلے یعنی اکتوبر ۱۹۶۴ میں شروع ہوا اور پاکستان پر بھارت کی جنگی یلغار کے باوجود جاری رہا' تا آنکہ یہ ری ایکٹر ۱۹۶۹ میں مکمل ہوا۔ امریکہ نے یورینیم کی افزودگی کے اس عمل میں کھلے بندوں ۱۹۷۳ تک شرکت کی اور اس طرح بھارت نے وہ دھماکا کیا جو مئی ۱۹۷۴ میں "بدھا کی مسکراہٹ" کے نام پر ہوا۔ پوکھران کے اس پہلے دھماکے سے قبل' ساڑھے چار سال میں' امریکہ نے بھارت کو ۱۵۰ ٹن یورینیم افزودہ ایندھن فراہم کیا۔ گویا ۱۹۷۴ کے دھماکے کے بعد بظاہر پابندیوں کا اعلان کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود ۱۹۷۴ اور ۱۹۸۰ کے درمیان امریکہ نے ۹۰ ٹن ایٹمی ایندھن بھارت کو خود فراہم کیا اور باقی کسر فرانس کے ذریعے پوری کرا دی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مارچ ۱۹۷۸ میں امریکہ کی کانگرس نے ایٹمی عدم پھیلاؤ کا قانون منظور کیا۔ جس کے بعد ہر ایسے ملک کے لیے جوہری مواد ہی نہیں' ہر صورت میں تعاون ختم کیا گیا جو این پی ٹی کا حصہ نہ ہو اور اپنے جوہری پروگرام کو بین الاقوامی نگرانی سے مستثنیٰ رکھے۔ اس قانون کے تحت پاکستان پر پابندیاں لگائی گئیں جو مختلف صورتوں میں ۱۹۷۹ سے اب تک جاری ہیں۔ لیکن بھارت کے لیے' جس نے نہ این پی ٹی پر دستخط کیے اور نہ اپنے ری ایکٹروں اور جوہری اداروں کو مکمل طور پر عالمی نگرانی کے لیے کھولا' امریکہ سے نیوکلیر برآمدات جاری رہیں۔ صدر کارٹر جب جنوری ۱۹۷۸ میں بھارت گئے تو بھارتی وزیراعظم مرارجی ڈیسائی کے مزید جوہری رسد کے مطالبے پر' کارٹر نے موصوف کے کان میں چپکے سے کہا کہ: "فکر نہ کرو میں ساڑھے سات ٹن مواد کی ترسیل کے احکامات جاری کروں گا"۔ بھارت اس کے باوجود ھل من مزید کہتا رہا اور کارٹر یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ: "ہم بھارت کی ناراضی مول نہیں لے سکتے"۔ اس کے الفاظ تھے:

"We think twice before we incur the disapproval of India".

بھارت نے امریکہ کے علاوہ ناروے سے بھی جوہری تعاون حاصل کیا اور اس کی پشت پر بھی سی آئی اے کا ہاتھ تھا۔ کھلے اور چھپے یہ تعاون کسی انقطاع کے بغیر برابر جاری

رہا ہے۔ لطف یہ ہے کہ ۱۱ مئی ۱۹۹۸ کے دھماکے کے بعد، ۱۲ مئی کو جب بھارت دو مزید دھماکے کر رہا تھا، اسی دن امریکی کمپنیاں پرتھوی اور اگنی میزائل بنانے والے اداروں کو اعلیٰ صلاحیت والے کمپیوٹروں کا سافٹ ویر روانہ کر رہی تھیں۔ اس کا انکشاف حال ہی میں ایک سائنس دان، گیری مل ہلن نے اپنے ایک مضمون میں کیا ہے۔ (دی نیشن، لندن، ۹ جون ۹۸)۔

۱۱ مئی ۹۸ کے دھماکوں کے بارے میں سی آئی اے کی آنکھ مچولی کی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے۔ مئی کے پہلے ہفتے میں بھارت کے خارجہ سیکرٹری نے امریکہ کا دورہ کیا۔ اس سے کچھ پہلے اقوام متحدہ میں امریکہ کے سفیر رچرڈسن نے بھارت اور پاکستان کا دورہ کیا اور بھارت کے دورے کے بارے میں فرمایا کہ "دونوں کے خیالات میں جتنی ہم آہنگی اس وقت ہے، کبھی نہ تھی"۔ رہا سی آئی اے کا یہ ڈراما کہ انھیں دھماکے کی خبر نہ تھی، اس کے بارے میں بھی بھارت کے روزنامہ دی ایشین ایج (۱۸ مئی ۹۸) میں، اس کے چیف ایڈیٹر کا مضمون بڑا چشم کشا ہے۔ موصوف امریکہ اور سی آئی اے کے اعلیٰ ذرائع کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> بہرکیف ہمارے سیٹلائٹ نے، دھماکوں سے چند روز پہلے پوکھران پر سرگرمی کا پتا چلا لیا تھا لیکن واشنگٹن میں کسی نے بھی اسے دھماکوں سے متعلق نہ سمجھا۔ سیٹلائٹ بالکل ناکام بھی نہیں ہوا۔ معائنہ ٹیموں کو، دھماکے کیے جانے سے پورے چھ گھنٹے پہلے (اتوار، پیر کی درمیانی رات کو) واشنگٹن میں واضح شہادت دستیاب تھی۔ نظری طور پر امریکہ کے پاس کافی وقت تھا کہ سفارتی سطح پر ضروری اقدام کرتا یا میڈیا کے ذریعے الارم بجاتا۔

اس پس منظر میں سمجھا جا سکتا ہے کہ امریکہ اور اس کے جاسوسی ادارے سو نہیں رہے تھے، خاموشی سے انتظار کر رہے تھے۔ اس پر مزید روشنی امریکی وزارت خارجہ کے ترجمان جیمز پی روبن (James P. Robin) کی پریس بریفنگ سے ہوتی ہے جو دھماکے کے فوراً بعد (۱۱ مئی ۹۸) کو دی گئی۔

سوال: کیا امریکہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ بھارت دھماکے کرنے والا ہے کیونکہ بھارتی وزیر خارجہ گذشتہ جمعہ ۹ مئی کو واشنگٹن میں افسران سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔

روبن: میں نہیں سمجھتا کہ ہمارا کوئی اہل کار یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ آج اس قسم کا اعلان ہونے والا ہے۔

سوال: تو گویا آپ بے خبری میں پکڑے گئے؟

روبن: میں نے یہ نہیں کہا۔ میں نے کہا ہے کہ ان ملاقاتوں میں ' میرے علم کی حد تک ایسی کوئی بات نہیں ہوئی کہ یہ ہونے والا ہے۔ میرے لیے ممکن نہیں ہے کہ میں کسی ایسے معاملے کے بارے میں وہ الفاظ استعمال کر کے بات کروں جو میں نے نہیں کہے ' اور اگر آپ وہ لفظ استعمال کریں گے تو میرا جواب نو کمنٹ (no comment) ہو گا۔ (امریکی وزارت خارجہ کی روزانہ بریفنگ ' ۱۱ مئی ۱۹۹۸)

گویا ؎

دامن پہ کوئی داغ نہ خنجر پہ کوئی چھینٹ
تم قتل کرو ہو' کہ کرامات کرو ہو

اس تناظر میں بھارت کے پورے جوہری پروگرام اور ۱۹۷۴ سے ۱۹۹۸ تک کے دھماکوں کے "پردہ زرنگاری" کے پیچھے جو "معشوق" ہے اسے دیکھنا کوئی مشکل نہیں!

اسرائیل کا تعاون: اس ہولناک ڈرامے کا دوسرا کردار اسرائیل ہے ' جس کا بھرپور تعاون بھارت کو ہر میدان میں حاصل رہا ہے لیکن یہ تعاون خصوصیت سے جوہری صلاحیت کی ترقی ' جاسوسی ' معلومات کی فراہمی اور تنسیق (coordination) اور کشمیر میں تحریک مزاحمت کو کچلنے کی حکمت عملی کی تشکیل کے سلسلے میں سب سے نمایاں رہا ہے۔ نیز بھارت اور اسرائیل میں پاکستان کو جوہری صلاحیت پر نگاہ رکھنے (monitor کرنے) اور اس کو تباہ کرنے کے منصوبوں میں بھی خطرناک گٹھ جوڑ ایک معروف اور معلوم حقیقت ہے۔ ۱۷ مئی ۱۹۹۸ کو اسرائیل نے دھمکی دی تھی کہ اگر پاکستان نے دھماکا کیا تو اس کے

جوہری اسٹیبلشمنٹ پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔ (جنگ' لندن' ۱۸ مئی 1998)۔ پھر ۲۷-۲۸ مئی کی درمیانی رات حملے کی پوری تیاری ہی نہیں تھی' بلکہ ابتدائی اقدام بھی کر لیے گئے تھے جو الحمدللہ پاکستان کے چوکس ہونے کی وجہ سے ناکام بنا دیے گئے۔

اس حقیقت کی وضاحت کے لیے مغربی اور بھارتی ذرائع سے شائع ہونے والے صرف چند شواہد پیش کیے جا رہے ہیں۔

دی ٹائمز لندن کا نمائندہ 'کرسٹوفر والر' بیت المقدس سے' اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے:

بھارت اور اسرائیل کے درمیان' اس سے بہت زیادہ جوہری تعاون رہا ہے جتنا اب تک ظاہر کیا گیا ہے۔ میزائل ٹکنالوجی میں تعاون گذشتہ دو عشروں سے جاری ہے۔ جوہری سائنس دانوں کے درمیان بار بار ہونے والی ملاقاتوں کو خفیہ رکھا گیا' لیکن گذشتہ روز تل ابیب کے اخبارات کے اس انکشاف سے کہ بھارت کے ہیرو' عبدالکلام نے '۱۹۹۶ میں کم سے کم دو بار' اور گذشتہ سال اسرائیل کا دورہ کیا تھا' بھارت اسرائیل تعاون کے ثبوت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ان رپورٹوں کے معاملے میں یہ انکشاف بھی کیا گیا تھا کہ اسرائیل کے چیف آف سٹاف نے اس ہفتے بھارت کا دورہ اسی خوف سے منسوخ کیا کہ اسے غلط اہمیت دی جائے گی۔ بھارت کے دفاعی تحقیق اور ترقی کے ادارے کے سربراہ ڈاکٹر عبدالکلام اور ان کے ہم مرتبہ اسرائیلی سائنس دان کے درمیان قریبی روابط' ۷۰ کے عشرے کے اواخر میں' ایک ٹیسٹ کے لیے جنوبی افریقہ سے تعاون کی یاد دلاتے ہیں۔ کل' اخبار ہارٹز (Haaretz) نے لکھا: ایک سینئر اسرائیلی سائنس دان کے مطابق ڈاکٹر عبدالکلام نے متعدد بار اسرائیل کا دورہ کیا اور اسی طرح سینئر اسرائیلی سائنس دان دوروں پر بھارت گئے۔ اخبار نے یہ بھی بتایا کہ دہلی کے مرکز برائے پالیسی ریسرچ کے پروفیسر براہما چیلانی نے 'گذشتہ ماہ اسرائیل کا دورہ کیا۔ (دی ٹائمز' ۴ جون ۱۹۹۸' ص ۱۶)

اس کی تصدیق' سنڈے ٹیلی گراف کی' ۷ جون 1998 کی اشاعت میں شائع ہونے والی اس رپورٹ سے بھی ہوتی ہے' جو اس کے مضمون نگار ٹام گراس نے بیت المقدس سے بھیجی ہے اور جس میں مارچ 1998 میں بھارت کے چیف آف اسٹاف کے اسرائیل کے دورے کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

بھارتی روزنامے دی ایشین ایج نے بھی نہ صرف اس تعاون کا اعتراف کیا ہے' بلکہ ۲۷-۲۸ مئی کے متوقع حملے کی توجیہ صرف نگرانی اور حصول معلومات کی کوشش کے عنوان سے' کی ہے۔ اس کے لندن کے نمائندوں کی رپورٹ کا مندرجہ ذیل حصہ قابل ملاحظہ ہے:

پاکستان نے غلط طور پر ہی سمجھا ہو کہ بھارت کسی نہ کسی طرح اس پر پہلے ہی حملہ (pre emptive) کرنے میں شریک تھا لیکن دفاعی ماہرین کا اب کہنا ہے کہ اسرائیل اس خوف سے کہ اسلامی بم تیار نہ ہو جائے' جو بعد میں پڑوس میں ایران اور عراق کو فراہم ہو سکتا ہے' اپنے طور پر کچھ اقدام کر سکتا تھا۔ یہ نگرانی (survillance) اس وجہ سے بھی ہو سکتی تھی کہ اسرائیل' پاکستان کی جوہری سرگرمیوں کے بارے میں امریکہ کی جاسوسی سے مطمئن نہ تھا۔ ابھی تک ماہرین نے اس امکان کو رد نہیں کیا ہے کہ اسرائیلی جہاز اپنے ہی کسی اڈے سے' فضا میں ایندھن حاصل کرتے ہوئے آئے ہوں۔ (دی ایشین ایج' ۴ جون ۹۸)

بھارت کا جوہری پروگرام اور امریکہ' کینیڈا' فرانس' ناروے اور اسرائیل کی اس میں کسی نہ کسی عنوان سے شرکت' ایک سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ ہے۔ پاکستان اور مسلم ممالک کو اس صلاحیت سے محروم رکھنا اور بھارت کو چین کے خیالی خطرے کے نام پر عمومی عسکری قوت ہی نہیں جوہری ہتھیاروں کو تیار کرنے کے لائق بنانا اور بالآخر اسے پاکستان اور اسلامی دنیا کے خلاف استعمال کرنا' وہ زمینی حقائق ہیں جنھیں نظر انداز کر کے خارجہ اور دفاعی پالیسی بنانا' پاکستان اور اہل پاکستان کے لیے' خودکشی کے مترادف ہوگا۔

امریکی پالیسی سازوں کی بدنیتی: اس سلسلے میں امریکہ کے یہودی نژاد سابق

وزیر خارجہ اور دانش ور ہنری کسنجر کا وہ انٹرویو غور سے پڑھنے کے لائق ہے، جو اس نے نومبر ۱۹۹۵ میں انڈیا ٹوڈے کو دیا تھا۔ اس انٹرویو میں کسنجر نے کہا:

سوال: کیا آپ کے خیال میں امریکہ اور بھارت کے درمیان مشترکہ اسٹرے تیجک مفادات ہیں؟

جواب: مجھے نہیں معلوم کہ آپ اسٹرے تیجک کی کیا تعریف کرتے ہیں۔ یقیناً ہم دونوں کا اسی میں مفاد ہے کہ اسلامی سیاست میں، اسلامی بنیاد پرستی کو، غالب قوت بننے سے روکا جائے۔ ہم دونوں کا، وسط ایشیا کی ریاستوں کا اپنے توانائی کے وسائل برآمد کرنے کی قابلیت میں بھی مشترک مفاد ہے۔

سوال: کیا آپ کے خیال میں، دونوں ممالک میں، دفاعی امور میں تعاون میں اضافہ ہو گا؟

جواب: میری رائے میں ایسا ہونا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ جنوری میں ہمارے چیف آف اسٹاف یہاں آ رہے ہیں۔ میں یقیناً اس دورے خوش گوار قرار دوں گا۔ (انڈیا ٹوڈے، ۳۰ نومبر ۱۹۹۵)

یہ وہی کسنجر ہیں جنھوں نے پاکستانی وزیراعظم کو دھمکی دی تھی کہ ”جوہری توانائی کی طرف نہ بڑھو ورنہ ہم تمھیں سبق سکھا دیں گے اور دوسروں کے لیے نشان عبرت بنا دیں گے“۔

امریکہ کے اس کھلے کھلے امتیازی (discriminatory) رویے کی ایک واضح مثال، ۱۹۸۰ میں امریکہ کے ایک اعلیٰ نمایندے (جس کا نام نہیں بتایا گیا) اور جنرل محمد ضیا الحق کے درمیان ہونے والی وہ گفتگو ہے، جو پاکستان کے سابق ڈپٹی چیف آف آرمی اسٹاف، جنرل کے ایم عارف نے اپنی کتاب، Working With Him میں نقل کی ہے۔ اس گفتگو میں امریکہ کے اعلیٰ نمایندے نے، وہی چین کے خطرے کی بات کر کے، بھارت کی جوہری صلاحیت کا دفاع کیا، این پی ٹی قبول نہ کرنے کی توجیہ کی اور پاکستان کو متنبہ کیا۔ جب دلائل کے باب میں لاجواب ہو گیا تو دل کی بات صاف الفاظ میں یوں ادا کی ہے:

"India has the facilities and we can't do anything about it. But Mr. President, you do not have the capability yet. And America is not going to let you possess it".

بھارت کے پاس سہولتیں ہیں اور ہم اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتے لیکن جناب صدر! آپ کے پاس ابھی تک صلاحیت نہیں ہے اور امریکہ آپ کو یہ حاصل نہیں کرنے دے گا۔

ہم نے جو حقائق اوپر بیان کیے ہیں' ان کی روشنی میں بالکل فطری طور پر یہ چار نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ بھارت کو جوہری صلاحیت سے آراستہ کرنے میں' بھارت کے اپنے عزائم اور کوششوں کے ساتھ' امریکہ اور مغربی اقوام کا منظم تعاون حاصل رہا ہے' اور بالآخر بھارت کو جوہری ہتھیاروں سے آراستہ ایک علاقائی سوپر پاور بنانا مذکورہ طاقتوں کے منصوبے کا حصہ ہے۔ پاکستان اور امت مسلمہ کو اس سلسلے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں رہنا چاہیے اور اپنی لمبے عرصے کی حکمت عملی (long term planning) مرتب کرنے میں اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے۔

۲۔ بھارت کا اولیں ہدف پاکستان ہے' لیکن بالآخر اس کے سامنے' ایشیا اور شرق اوسط میں' اپنی بالادستی کا قیام ہے۔ اس سلسلے میں اسرائیل کے ساتھ اس کی ساز باز ہی نہیں وسیع پیمانے پر مشترکہ حکمت عملی اور دفاعی اور عسکری امور میں عملی تعاون ہے۔ اسرائیل اور بھارت کو اس پورے علاقے میں اپنا قائم مقام (surrogate) بنانا اور ان کو ایک غنڈہ ریاست (Bully State) کا کردار دینا' امریکہ کے عالمی نظام کا حصہ ہے۔

۳۔ امریکہ اور مغربی اقوام کے امتیازی سلوک کا اصل ہدف پاکستان اور امت مسلمہ ہیں۔ عملاً بھارت کو ایک جوہری طاقت بنایا گیا ہے اور آیندہ بھی اسے مراعات و سہولیات دی جائیں گی۔ اصل منصوبہ پاکستان' عرب اور مسلم ممالک کو جوہری صلاحیت سے محروم رکھنا تھا اور ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ اکیسویں صدی میں وہی قومیں اور ممالک

اپنی آزادی کو محفوظ رکھ سکیں گے، جن کے پاس کوئی قابل اعتماد سدجارحیت (credible deterrence) ہو۔ روایتی جنگی سازوسامان کی اہمیت اپنی جگہ لیکن محض روایتی (conventional) فوجی سازوسامان اپنی تمام مہنگی قیمت کے باوجود ایک قابل اعتماد دفاعی حصار قائم نہیں کر سکتا۔ آج اور آنے والی صدی میں' یہ استعداد صرف جوہری اور میزائل پر مبنی سدجارحیت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے محروم رکھ کران ممالک کو تر نوالہ بنا کر اپنا تابع مہمل رکھنا مقصود ہے۔

ہ۔ پاکستان پر اصل غصہ اسی وجہ سے ہے کہ اس نے اس حکمت عملی کو بڑی حد تک ناکام بنا دیا ہے۔ ساری مخالفتوں' پابندیوں' سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے باوجود' اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے' اس نے نہ صرف یہ کہ جوہری صلاحیت حاصل کر لی ہے' بلکہ اب اس کا عملی اظہار بھی کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ دباؤ پاکستان ہی پر ہے اور اسے ناکوں چنے چبوانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

بھارت نے دھماکے کیوں کیے؟

نئے عالمی نظام اور اس کے ان اہداف پر گفتگو سے' جو پاکستان اور امت مسلمہ کے بارے میں' اس کے پیش نظر ہے' ۱۱ اور ۱۳ مئی کے بھارتی جوہری دھماکوں کی اصل غایت کو سمجھنے میں کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔ یہ لمبے عرصے کی حکمت عملی کا ایک لازمی حصہ تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ خاص اس وقت یہ دھماکے کیوں کیے گئے؟ ہماری نگاہ میں اس کی تین اہم وجوہ ہیں:

پہلی وجہ : ایشیا اور شرق اوسط کے بارے میں' بھارت کے عزائم اور ان عزائم کے حصول کے لیے امریکہ کی تائید سے عالمی فضا بنانا ہے۔ بھارت کا خیال ہے کہ اعلان شدہ جوہری صلاحیت کے بغیر' اسے ایک چھوٹی عالمی اور بڑی علاقائی طاقت تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس کے بغیر اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ویٹو بردار مستقل ممبر بنایا جا سکتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایٹمی کلب کا باقاعدہ ممبر بننے کے بعد ہی اس پوزیشن کو حاصل کر سکتا

ہے۔ دھماکے پر فوری رد عمل کے طور پر کچھ رسمی لعن طعن اور پابندیوں کا ڈراما' سب اس کھیل کا حصہ ہیں۔ تھوڑی سی فوں فاں کے بعد نئے مذاکرات شروع ہو جائیں گے اور تھوڑے بہت مول تول کا مظاہرہ کر کے مطلوبہ حیثیت حاصل کر لی جائے گی۔ اس کام کے انجام دینے کے لیے بھارتیہ جنتا پارٹی سے بہتر کوئی آلہ کار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ یہ پارٹی ہندو قوم پرستی کی علم بردار ہے اور اس کے پاس ایسے منظم کارکن ہیں جو پورے ملک کو متحرک کر سکتے ہیں۔ نیز بھارت کی عظمت اور بالادستی کے قیام کو یہ اپنا اصل مقصد قرار دیتی ہے اور اس کے لیے ملک کو ہر قربانی اور اس کے عوام کو ہر قیمت ادا کرنے پر تیار کر سکتی ہے۔ جوہری اسلحہ کو فوجی نظام کا حصہ بنانا' اس کا اولین ہدف رہا ہے۔ پارٹی کے منشور میں اس کا اعادہ کیا گیا ہے اور ۱۹۹۸ کے انتخاب کے لیے جو منشور اس نے قوم کے سامنے پیش کیا تھا' اس میں اس کا جلی حروف سے ذکر تھا۔

خارجہ پالیسی کے باب میں کہا گیا ہے:

بی جے پی کی حکومت عالمی سطح پر ایک نمایاں مقام کا مطالبہ کرے گی۔ بی جے پی جوہری امتیاز (apartheid) کے تصور اور سی ٹی بی ٹی' ایف ایم سی آر (FMCR) اور ایم ٹی سی آر (MTCR) کے ذریعے جوہری بالادستی کو مسترد کرتی ہے۔ ہم اپنے سلامتی کے معاملات میں اور جوہری اختیار (option) استعمال کرنے میں کسی سے حکم نہیں لیں گے۔ ہم مستقل مزاجی سے قومی مقاصد اور اہداف کی لیے کوشش کریں گے۔ مختصراً' وہ یہ ہیں۔ ○ بھارت کو اس کے سائز اور صلاحیت کے تناسب سے دنیا میں کردار اور پوزیشن دینا۔ ○ بھارت کو سلامتی کونسل کا مستقل ممبر بنانے کے لیے بھرپور کوشش کرنا۔ ○ پاکستان کو ہمارے قومی معاملات میں دہشت گرد گروہوں کی حمایت کے ذریعے سرگرم مداخلت کی پالیسی ترک کرنے پر آمادہ کرنے کے لیے فعال اقدامات کرنا۔ ○ بی جے پی' جموں اور کشمیر کے مکمل علاقے پر بشمول بیرونی مقبوضہ علاقوں کے' بھارت کی حاکمیت اعلیٰ غیر مبہم طور پر اعلان کرتی ہے۔ (انتخابی منشور' ۱۹۹۸' ص ۲۹' ۳۰)

قومی سلامتی کے باب میں اگلے ہی صفحے پر وعدہ کیا گیا ہے کہ:

— ملک کی جوہری پالیسی کا از سر نو جائزہ لینا اور جوہری اسلحے کے آغاز کا اختیار استعمال کرنا۔

— میزائل کے اگنی سلسلے کی ترقی کو تیز تر کرنا تاکہ ان کی حد اور نشانے کی درستی بہتر ہو۔

— طاقت کے دائرہ اثر کو مناسب تکنیکی اقدامات (میدان جنگ میں نگرانی کا نظام، فضا میں ہی ایندھن بدلنے کا انتظام) کے ذریعے بڑھانا۔

— بیرونی جاسوسی نظام کی فنی صلاحیت بڑھانا۔

انتخاب کے بعد بی جے پی اور حلیف جماعتوں نے جو قومی ایجنڈا مرتب کیا اور جس پر عمل در آمد کا عہد کیا، اس میں بھی کہا گیا ہے کہ:

ہم عالمی میدان میں بھارت کو وہ مقام، رول اور پوزیشن دلوانے کے لیے کوشش کریں گے جو ہمارے سائز اور صلاحیت سے مناسبت رکھتا ہے۔

ہم جوہری پالیسی کا دوبارہ جائزہ لیں گے اور جوہری اسلحے کا آغاز کرنے کا اختیار استعمال کریں گے۔ (نمبر ۲۶ اور ۲۸)

اب یہ کوئی راز نہیں کہ واجپائی صاحب جب دو سال پہلے تیرہ دن کے لیے وزیراعظم بنے تھے تو پہلا کام انھوں نے یہ کیا کہ سائنس دانوں کو بلا کر یہ معلوم کیا کہ دھماکا کتنے دن میں ہو سکتا ہے۔ پھر ۱۹۹۸ میں بھی برسر اقتدار آکر، ڈیفنس ریویو کے ضابطے کو پورا کیے تمام شریک حکومت جماعتوں کو اعتماد میں لیے بغیر، دھماکے کی تیاری کے احکامات جاری کیے۔ نیز ان کے وزیر دفاع نے "چینی خطرے" کا راگ اونچے سروں میں الاپنا شروع کر دیا بلکہ خیالی ہیلی پیڈز کا افسانہ بھی اختراع کر ڈالا۔ جموں اور کشمیر میں گرمی پیدا کی، سیاچین کا دورہ کیا اور جھڑپیں شروع کیں۔ یہ سب فضا بنا کر ۱۱ اور ۱۳ مئی کے دھماکے کیے اور عالمی رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لیے سفارتی سرگرمیوں میں بھی اضافہ کیا، جس میں سیکرٹری خارجہ کا امریکی دورہ سرفہرست آتا ہے۔ یہ دھماکے اسی سوچے سمجھے منصوبے کا حصہ تھے جس میں

بھارت کے ساتھ دوسرے بھی پس پردہ شریک تھے اور ان کا مقصد بھارت کے لیے ایک خاص عالمی مقام حاصل کرنا تھا۔

۲- دوسری بنیادی وجہ پاکستان کو کونے میں لگانا ہی نہیں بلکہ اس کے گرد گھیرا تنگ کرنا تھی۔ گذشتہ دس سال سے' دونوں ممالک کے بارے میں یہ اندازہ تھا کہ ان کے پاس جوہری صلاحیت موجود ہے اور عملاً دھماکا کیے بغیر بھی وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ ایک دوسرے کو ایٹمی جواب دے سکتے ہیں۔ اس سے وہ صورت حال رونما ہوئی جسے استرے تیجک ابہام (ambiguity) کہا جاتا ہے اور بظاہر یہ ٹھیک ٹھیک سدجارحیت کا کام انجام دے رہی تھی۔ چونکہ بی جے پی کے مقاصد میں' پاکستان پر حملہ اور خصوصیت سے کشمیر میں بڑا اقدام کرنا شامل تھا' اس لیے اس نے اس ابہام کو ختم کر کے دھماکے کے ذریعے اپنے کو ایک ایٹمی اسلحے سے لیس ریاست بنانا ضروری سمجھا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ اگر پاکستان کے پاس فی الحقیقت مقابل کی قوت ہے تو وہ بھی دھماکا کر کے اپنی صلاحیت کو منوا لے' اور اگر وہ دھماکا نہیں کرتا تو مطلب یہ ہوتا کہ یا وہ اس صلاحیت سے عاری ہے اور اس طرح نئی جارحیت کے لیے سبز جھنڈی دے دے اور یا کسی ایٹمی ملک کی چھتری حاصل کر کے ایک کمزور اور باج گزار ریاست کا درجہ قبول کر لے۔

یہی وجہ ہے کہ ۱۱ اور ۱۳ مئی کے دھماکوں کے بعد' بھارت نے پاکستان پر تقریباً ہر محاذ پر اور خاص طور پر کشمیر میں دباؤ بڑھا دیا اور دوسری طرف ساری عالمی قوتوں نے پاکستانی حکومت پر بھرپور دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ دھماکا نہ کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ ذرا غور کیجیے کہ وہ صدر کلنٹن جو پاکستان کے وزیراعظم کے امریکہ کے سرکاری دورے پر' ان کو ملاقات کے لیے خود اپنے دفتر میں بیس منٹ سے زیادہ وقت دینے کو تیار نہ تھے' وہ سترہ دن میں پانچ بار ٹیلی فون کرتے ہیں اور ہر بار ۲۰ اور ۲۵ منٹ تک بات کرتے ہیں' اعلیٰ سیاسی اور عسکری وفود بھیجتے ہیں اور ترغیب اور ترہیب (carrot and stick) کا ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔ برطانیہ اور جاپان کے وزرائے اعظم' فرانس کے صدر' اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل' سبھی متحرک ہو جاتے ہیں۔ بھارت پر کسی موثر دباؤ کا فقدان اور پاکستان کے

لیے تمام نصائح، ترغیبات اور دھمکیاں گویا۔

نصیحت رات دن ناصح کیا کرتے ہو تم ناحق
اسے بھی ایک دن تم جا کے سمجھاتے تو کیا ہوتا

بلاشبہ یہ پاکستان پر بڑا بھرپور وار تھا اور پاکستانی حکمران ایک گونہ تذبذب کا شکار تھے۔ امریکی اخبارات و رسائل نے، صدر کلنٹن اور پاکستانی وزیراعظم کی گفتگو کی جو تفصیلات شائع کی ہیں، ان سے پاکستان کی قیادت کی مشکلات کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن شکر الحمدللہ! بالآخر پاکستانی قوم کے عزم اور حوصلے، اس کی سیاسی اور دینی جماعتوں کی ملک گیر تحریک، اردو صحافت اور کالم نگاروں کا جرات مندانہ اظہار حق، خود حکمران پارٹی میں جوابی کارروائی کے لیے موثر آواز کا ظہور، فوجی قیادت کی بالغ نظری اور ایٹمی سائنس دانوں اور انجینئروں کی ٹیم کی مستقل مزاجی فیصلہ کن ثابت ہوئی اور حکومت نے وہ اقدام کیا جو قوم کے دل کی آواز اور ملت اسلامیہ کی عزت اور بقا کا تقاضا تھا۔

برہم ہوں بجلیاں کہ ہوائیں خلاف ہوں
کچھ بھی ہو اہتمام گلستاں کریں گے ہم

اگرچہ بھارت کے ان دھماکوں کے پیچھے بھارتی حکومت کی اندرونی کمزوریاں اور مخلوط حکومت میں بھارتیہ جنتا پارٹی کا ایک طرح سے یرغمالی (hostage) بن جانا بھی تھا، جس سے نکلنے اور اپنے انتخابی امکانات کو بڑھانے کے لیے بھی یہ دھماکے اس کی ضرورت بن گئے تھے۔ جس کا اظہار خود بھارتی پارلیمنٹ میں ان دھماکوں پر ہونے والی بحث میں بار بار کیا گیا۔ لیکن ہماری نگاہ میں اصل وجہ وہی عالمی سیاسی کھیل اور پاکستان کو گھیرنے اور طفیلی مقام پر رکھنے کی حکمت عملی تھی۔

اس دھماکے کی تیسری وجہ مسئلہ کشمیر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھارت اور امریکہ نے خود کشمیر کے مسئلہ کے "حل" کے لیے بھی اسے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا۔ ہدف یہ تھا کہ اگر پاکستان حقیقی اور موثر ایٹمی سدجارحیت نہیں رکھتا تو فوری طور پر کشمیر میں اقدام کیا جائے۔ ایٹمی اسلحہ کے پرزور دباؤ کے ذریعے بلیک میل کیا جائے اور پھر عالمی

برادری بیچ بچاؤ کرا کے موجودہ لائن آف کنٹرول کو مستقل سرحد کی حیثیت دے کر مسئلے کو ختم کر دے۔ پاکستان‘ بھارت کی ایک طفیلی ریاست بن جائے‘ فوج کی تخفیف کرا دی جائے اور کشمیریوں کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا جائے۔

الحمدللہ‘ یہ کھیل کامیاب نہ ہو سکا۔ وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ○ ‘ (آل عمران ۳:۵۴)‘ ”وہ اپنی چال چل رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور بلاشبہ اللہ بہترین تدبیر کار ہے“۔ پاکستان نے چھ کامیاب تجربے کر کے‘ نہ صرف اپنی ایٹمی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا بلکہ کچھ پہلوؤں سے اپنے جوہری پروگرام کی برتری بھی ثابت کر دی جس نے پاکستان ہی نہیں‘ پوری امت مسلمہ کے مورال کو بلند کیا۔ عالمی بساط پر ”شہ مات“ کا جو نقشہ بنایا گیا تھا وہ الٹ گیا۔

سو سالہ دور جام تھا ساغر کا ایک دور
نکلے جو مے کدے سے تو دنیا بدل گئی

مستقبل کے چیلنج‘ درست حکمت عملی

پاکستان کے لیے صرف ایک ہی راستہ تھا اور الحمدللہ اس نے اس راستے کو بروقت اور صحیح انداز میں اختیار کیا۔ فطری طور پر اس کے مثبت اور منفی دونوں اثرات رونما ہوئے ہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان اثرات کا جائزہ لے لیا جائے۔ اس جائزے کی روشنی ہی میں مستقبل کے چیلنجوں کا صحیح تعین ہو سکتا ہے اور ان کے مقابلے کے لیے صحیح حکمت عملی کے خدوخال تجویز کیے جا سکتے ہیں۔

اس کا پہلا اثر تو یہ ہوا ہے کہ وہ سازش جو پاکستان کو قابو میں کرنے اور مسئلہ کشمیر کو تحلیل کرنے کے لیے کی گئی تھی وہ ناکام و نامراد ہوئی۔ جنگ کے جو بادل افق پر چھا گئے تھے‘ چھٹ گئے۔ بھارت کی معلوم جوہری صلاحیت کے مقابلے میں‘ پاکستان کی جوہری صلاحیت بھی الم نشرح ہو گئی۔ اسٹرے ٹیجک ابہام کی جگہ اعلان شدہ جوہری صلاحیت نے اس توازن کو نہ صرف بحال کیا جو پہلے قائم تھا بلکہ پاکستان کی اضافی پوزیشن کو کچھ بہتر ہی کر

دیا۔ پاکستان نے مختلف نوعیت کے کامیاب تجربات کر کے بھارت کو یہ پیغام دے دیا' کہ اس کے متعین فوجی ہدف بھی ہماری زد میں ہیں اور اگر اس نے جنگ کو پھیلانے کی حماقت کی تو اس کے بیشتر علاقے ہمارا نشانہ بن سکتے ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ ایٹمی اسلحہ کا اصل کردار سد جارحیت ہے۔ ان کا استعمال انسانیت کے خلاف ایک جرم ہے لیکن اس دنیا میں جہاں جنگی جنون اپنی انتہا کو پہنچا ہوا ہے' ان کا حصول اپنی حفاظت اور دوسرے کو جنگ سے روکنے کا موثر ترین ذریعہ اور قوت کا وہ اظہار ہے جو سد جارحیت کے لیے ضروری ہے۔ اس کے لیے اسلحے کی کسی دوڑ کی ضرورت نہیں اور نہ اسلحے میں مساوات ضروری ہے۔ اصل چیز اتنی قوت کی موجودگی اور اس کے استعمال کی صلاحیت ہے جو دشمن کو پیش قدمی سے روک سکے۔ ۱۱ اور ۱۳ مئی کے بعد بھارت کے وزیراعظم اور وزیر داخلہ نے صاف الفاظ میں کہا تھا کہ اب اس علاقے میں طاقت کے توازن میں تبدیلی رونما ہو گئی ہے اور ہم پاکستان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں لیکن ۲۸ اور ۳۰ مئی کے بعد ع

آئینہ دیکھ' اپنا سا منہ لے کر رہ گئے!

اور جو کشمیر پر بات کرنے کے خیال کو بھی پاپ قرار دے رہے تھے' دو طرفہ گفتگو کی بات کرنے لگے بلکہ وزیراعظم اور وزیر دفاع دونوں ہی اب یہ تک کہنے لگے کہ "خطرہ کہاں تھا؟" گویا یہ سارا ڈراما دل بہلانے کے لیے کیا گیا تھا۔ بھارت کے لہجے میں جو تبدیلی آئی ہے یہ صرف ۲۸ مئی کا اثر (fall out) ہے اور صرف اس کی روشنی ہی میں بھارت کے رویے میں تبدیلی کو سمجھا جا سکتا ہے' ورنہ :۔

وہی ہم ہیں' وہی تم ہو' نہ ہم بدلے نہ تم بدلے
یہ آخر بات کیا ہے آج اتنے مہرباں کیوں ہو؟

مغربی دانش ور کیا کہتے ہیں؟ بات صرف فوری خطرے کے ٹلنے ہی کی نہیں' بلکہ حال اور مستقبل کے لیے پورے علاقے میں امن کے قیام' اسے جنگ کے شعلوں سے بچانے اور ایک دوسرے کو تباہ کرنے کی دیوانگی سے محفوظ رکھنے کے لیے طاقت کے

توازن کی بحالی' اس کا اصل حاصل ہے۔ امریکہ اور مغربی اقوام کی دو رنگی اور منافقت کا پردہ چاک ہو گیا ہے۔ جس سد جارحیت نے عالمی طاقتوں کو پچاس سال سے جنگ سے روکا اور آج بھی روکے ہوئے ہے اور جس کی وجہ سے دنیا کا بڑا حصہ تباہی سے بچا' جنوبی ایشیا کے لیے اس کا حصول ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح چبھ رہا ہے اور محض اپنی بالادستی کو قائم رکھنے کے لیے وہ علاقے کو جنگ کے خطرات سے محفوظ رکھنے والے انتظام پر چیں بہ جبیں ہیں۔ پانچ بڑے ہی نہیں آٹھوں ترقی یافتہ ممالک' (چین کے جزوی استثنا کے ساتھ) شعلہ فشاں ہیں' لیکن اس سارے پروپیگنڈے اور شور شرابے کے باوجود عالمی رائے عامہ کا ایک قابل ذکر حصہ ان کے دوغلے پن (hypocrisy) کا اعتراف کر رہا ہے اور ہمارے اس حق کو بادل ناخواستہ ہی سہی' تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اہل پاکستان کے سامنے اس پہلو کو ذرا وضاحت سے بیان کرنے کی ضرورت ہے جبکہ مغربی اور بھارتی لابی کے قلم کار' خصوصیت سے انگریزی اخبارات کے مقالہ نگار تصویر کا بالکل دوسرا اور مغالطہ آمیز رخ پیش کر رہے ہیں۔

پروفیسر لارنس فریڈمین جو کنگز کالج لندن میں وار اسٹڈیز کے پروفیسر ہیں' وہ پاکستانی دھماکے کے بعد لکھتے ہیں:

بھارت اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کی وسیع پیمانے پر سخت مذمت کی جا رہی ہے لیکن جب یہ معروف ایٹمی طاقتوں کی طرف سے ہو تو ناگزیر طور پر دوغلے پن کا احساس ہوتا ہے۔ اگر وہ ایٹمی اسلحے کو اپنی سلامتی کے لیے قدر و قیمت کا حامل سمجھتے ہیں' تو دوسرے بھی اس نتیجے تک کیوں نہ پہنچیں۔ اگر سد جارحیت کی وجہ سے سرد جنگ کے دوران منقسم یورپ میں امن قائم رکھا جا سکا' کیا وہ یہی کردار دوسرے منقسم علاقوں میں' مثلاً جنوبی ایشیا یا شرق اوسط میں انجام نہیں دے سکتا۔ اس قسم کا استدلال کہ ایٹمی طاقتوں نے مطلوبہ احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کر کے 'اس اسلحے کو رکھنے کا حق حاصل کر لیا ہے' نئے آنے والوں کو برگشتہ کرتا ہے اور ان کا یہ یقین مضبوط کرتا ہے کہ یہ سب دنیا میں حیثیت و مرتبہ اور بین

الاقوامی اجارہ داری سے متعلق معاملہ ہے۔ (دی ٹائمز' ۲۹ مئی ۱۹۹۸)

انٹرنیشنل ہیرلڈ ٹربیون میں رچرڈ ریوز نے تحریر کیا ہے:

امریکہ کو' جس نے ایک ہزار سے زائد ایٹمی دھماکے کیے ہیں' بھارت اور پاکستان کے زیر زمین دھماکوں سے "صدمہ" ہوا ہے۔ ہم امریکی اپنی رہنمائی کے حوالے سے حد درجہ منافقانہ اور واہیات باتیں علی الاعلان کہتے ہیں۔۔۔ ہم اپنے آپ کو بڑا خوب صورت دھوکا دیتے ہیں اور دنیا کو ایک ایسا عالمی قبیلہ دیکھنا چاہتے ہیں' جو امریکہ کی دی ہوئی جمہوریت کے ثمرات کے لیے بے تاب ہو۔ ہم اور دوسری تسلیم شدہ جوہری طاقتیں' عدم پھیلاؤ کی وکالت کرتے ہیں۔ لیکن اقوام متحدہ میں جوہری اسلحے کو تلف کرنے کے خلاف ووٹ دیتے ہیں۔ ہماری پالیسی احمقانہ نہیں ہے' اگرچہ دوغلے پن اور دھوکے سے ضرور عبارت ہے۔ اصل احمقانہ بات تو اس پر واقعی یقین کرلینا ہے کہ بھارت' پاکستان' چین' ایران اور اسرائیل' امریکی تصورات کے مطابق عمل کریں گے اور اپنے قومی مفادات اور اندیشوں کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے۔ (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون' ۴ جون ۱۹۹۸' ص ۱۱)

ڈیوڈ پرائس جونز لکھتا ہے:

دنیا کی اعلان شدہ جوہری طاقتوں نے پہلے بھارت اور اب پاکستان کی ایٹمی دھماکا کرنے پر متفقہ طور پر مذمت کی ہے۔ کشمیر کے مسئلے کو ایک آخری مکمل تباہی کے ذریعے حل کرنے کا خطرہ اب حقیقی ہوگیا ہے۔ فوری طور پر توجہ کے قابل یہ امر ہے کہ اس کے نتیجے میں ہر طرف دوغلا پن ہے اور دہری گفتگو ہو رہی ہے۔ فرانس کی وزارت خارجہ کے ایک بیان کے مطابق' فرانس کو افسوس ہے کہ پاکستان نے تحمل سے کام لینے کی اپیلوں کو نہیں مانا۔ زمانہ امن کے کم ہی واقعات پر اتنا شور و غوغا ہوا ہو گا جتنا ۱۹۹۵ میں بحرالکاہل میں فرانس کے جوہری اسلحہ کے تجربے پر ہوا۔ دونوں طرف تباہی کا یقین ہو تو یہ تحفظ کے لیے کسی بھی انسانی منطق کے برابر طاقت رکھتا ہے' خواہ بالکل فول پروف نہ ہو۔ (ڈیلی ٹیلی گراف' ۳۰ مئی ۱۹۹۸' ص ۳۴)

لندن ٹائمز کے کالم نگار اور سابق مدیر ولیم ریس موگ اپنے ہفتہ وار کالم میں اعتراف کیا ہے کہ:

جوہری اسلحہ نہایت طاقت ور سد جارحیت ثابت ہوا ہے۔ بر عظیم پاک و ہند میں بھی ایسا ہی ہونے کی توقع ہے جیسا کہ سرد جنگ میں ہوا۔ اگر دونوں سد جارحیت سے توازن میں ایک دفعہ بندھ جائیں' تو بہت کم امکان ہے کہ بھارت یا پاکستان اس بندھن کو توڑیں۔ کیا کوئی حکومت تخفیف اسلحہ کا اندیشہ مول لے سکتی ہے جبکہ دہشت کے توازن کو استحکام حاصل ہو چکا ہو۔ (دی ٹائمز' لندن' یکم جون ۱۹۹۸)

مغربی دنیا کے تجربے کے بارے میں اسی مضمون میں ولیم ریس کے خیال میں:

مغرب میں ہم نے بم کے ساتھ زندگی گزارنا سیکھ لیا ہے۔ دہشت کے توازن نے سرد جنگ کے دوران کسی بھی فریق کو تیسری جنگ شروع کرنے سے باز رکھا۔ اگر بم نہ ہوتا' تو شاید ہم سب مر چکے ہوتے۔

ڈیلی ٹیلی گراف کے مضمون نگار رابن ہیرس کہتا ہے:

ان تجربات نے باقی دنیا کے لیے ایک خدمت انجام دی ہے اور وہ ہمیں ایک بار پھر یہ احساس دلا رہا ہے کہ توازن قوت آج بھی اہم اور موثر ہے اور قوت کے معنی بالآخر فوجی قوت ہی ہیں۔۔۔ بھارت سرد جنگ سے ہر حال میں ایک مشکل لیکن درست سبق سیکھ سکتا ہے۔ اگر مغرب اس دعوے میں سنجیدہ ہے (جیسا کہ کہتا ہے) کہ اس موقع پر جوہری اسلحہ کی موجودگی ہی نے یورپ کو جنگ سے بچایا کیونکہ روایتی جنگ کا جوہری مقابلے میں تبدیل ہونے کا امکان ہی ناقابل تصور تھا تو یہی بات اب ایشیا کے لیے درست کیوں نہیں؟ یہ علم کہ ہر فریق جوہری حملے کی صلاحیت رکھتا ہے' بھارت یا چین اور پاکستان کے درمیان کسی مزید روایتی جنگ کا امکان ختم کر دیتا ہے۔ (دی ٹیلی گراف' ۹ جون ۱۹۹۸)

امریکی ہفت روزہ نیوز ویک میں اولیور مورٹن کے نزدیک:

گذشتہ نصف صدی سے جوہری اسلحہ صرف علامت اور دھمکی کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ ایسی جنگیں نہیں ہوئی ہیں جن میں یہ اسلحہ استعمال ہوا ہو۔ صرف ایک دفعہ اسے استعمال کیا گیا' وہ بھی ایک ایسے ملک کے خلاف جس کے پاس یہ اسلحہ نہ تھا۔ جب یورپ کے امن کے ۵۰ سال اور بڑی طاقتوں کے حملہ نہ کرنے میں (stand off) سد جارحیت نے کردار ادا کیا ہے۔ تو پھر دوسرے علاقوں میں یہ صلاحیت یہی کردار کیوں نہ ادا کرے؟ بین الاقوامی تعلقات کے ایسے ماہرین ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے اور یہ کہ پھیلاؤ کی بیشتر مخالفت نسل پرستی کی وجہ سے ہے جو نسلی منافرت سے مختلف نہیں۔ (نیوز ویک' ۲۵ مئی ۱۹۹۸)

انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون کا ایک اور مقالہ نگار فلپ بورنگ لکھتا ہے:

ان سے برعظیم میں جوہری توازن بحال ہو گیا ہے۔ بھارت اور پاکستان دونوں ایک دوسرے کی صلاحیت سے برسوں سے واقف تھے۔ اب جبکہ دونوں کھل کر سامنے آچکے ہیں' وہ پہلے کی صورت حال کی طرف لوٹ سکتے ہیں۔ یہ مثالی صورت حال تو نہیں لیکن اس کا امکان بہت کم ہے کہ اس سے جوہری جنگ شروع ہو جائے۔ (دی انٹرنیشنل' ہیرالڈ' ٹریبون' ۲۹ مئی ۱۹۹۸)

ڈیلی ٹیلی گراف کے دفاعی نامہ نگار ٹم بوچر نے فوجی ماہرین کی آرا کی بنیاد پر لکھا کہ:

کل کے تجربات سے بعض عسکری اہل فکر کو یہ اطمینان حاصل ہوا ہے کہ پاکستان نے جوہری بم دھماکا کرنے کی صلاحیت کا اظہار کر کے بھارت کے لیے یہ منطق باقی نہیں رہنے دی ہے کہ وہ پاکستان پر پہلے ہی حملہ کر دے تاکہ پاکستان یہ ٹکنالوجی حاصل نہ کر سکے۔ (دی ٹیلی گراف' ۲۹ مئی' ۱۹۹۸)

ہم صرف چند اہم ماہرین اور کالم نگاروں کے خیالات پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس سلسلے میں موجود مواد تو انبار لگانے کے لیے کافی ہے۔ پاکستان اگر بھارت کے دھماکوں کے

بعد یہ اقدام نہ کرتا تو وہ مہلک ہوتا۔ اب نہ صرف یہ کہ ایک نیا توازن قوت قائم ہو گیا ہے بلکہ اس کے دور رس اثرات پورے علاقے اور عالمی سطح پر رونما ہوں گے اور خود امریکہ اور دونوں بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کے لیے چیلنج رونما ہو گا۔ ماضی کی حکمت عملی اب ناکارہ ہو رہی ہے۔ عالمی یا علاقائی بالادستی کے تصورات شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکیں گے۔ اور اس کے جلو میں آیندہ صدی میں بنیادی تبدیلیوں کے دور رس عمل کے آغاز کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ معروف مضمون نگار جم ہاگلینڈ، جس کے مضامین ہیرالڈ ٹریبیون میں بھی شائع ہوتے رہتے ہیں، لکھتا ہے:

بھارت اور پاکستان نے ایک دوسرے کے مقابلے پر جوہری تجربات کر کے عالمی عزائم اور طاقت کے نقشوں کی از سرنو تشکیل کر دی ہے۔ ان کے نافرمانی اور گستاخی سے کیے جانے والے (defiant) دھماکوں نے عالمی امور میں امریکی قیادت کی نوعیت اور ضرورت کے بارے میں شبہات پیدا کر دیے ہیں، جب کہ چند سال قبل ہی امریکہ ایک ایسا عالمی عفریت بنا جا رہا تھا جس کی پہلے کوئی مثال نہیں۔ پیرس، ماسکو اور دوسرے یورپی شہروں میں گذشتہ چند ہفتوں میں سینئر اہل کاروں کی گفتگوؤں سے پتا چلتا ہے کہ خلیجی جنگ کے دوران امریکی طاقت کا جو بھرپور مظاہرہ ہوا تھا اس کے اثرات اب تیزی سے ختم ہو رہے ہیں۔ (واشنگٹن پوسٹ، ۴ جون ۱۹۹۸)

مسئلہ کشمیر کا حل، وقت کی آواز

بھارت پر اس کا جو اثر ہوا ہے اس کا مشاہدہ اور مطالعہ بھارت کی پارلیمنٹ میں پاکستان کے دھماکے کی خبر کے بعد دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ لندن کے روزنامہ ٹائمز کا نمایندہ کرسٹوفر تھامس، دہلی سے اپنے مکتوب میں اسے موقف میں تبدیلی اور مذاکرات پر آمادگی قرار دیتا ہے:

بھارت نے پاکستان کے ساتھ تعاون کا مستحکم ڈھانچا تشکیل دینے کی اور امن کی

تلاش میں تازہ مذاکرات شروع کرنے کی پیش کش کی ہے۔ بھارت نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ راستہ بدلنے کا وقت ہے‘ کم سے کم عوامی بیانات میں۔ واجپائی نے دونوں ملکوں میں جلد از جلد براہ راست مذاکرات بحال کرنے کی بات کی ہے اور اہم بات یہ ہے کہ کشمیر کو ایجنڈے سے باہر رکھنے کے لیے نہیں کہا ہے۔ (دی ٹائمز‘ ۱۰ جون‘ ۱۹۹۸)

ہمیں بھارت کے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں اور دو طرفہ مذاکرات کا پچاس سالہ تجربہ گواہ ہے کہ یہ ہمیشہ لاحاصل رہے ہیں۔ پاکستان کے لیے واحد راستہ بین الاقوامی شراکت اور کشمیری عوام کے نمایندوں یعنی آل پارٹیز حریت کانفرنس کی قیادت کی شمولیت میں ہے۔ بھارت سے مذاکرات اس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ کشمیر کے ناجائز قبضے کو اتنا مہنگا بنا دیا جائے کہ بھارت کے لیے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔ لیکن ۱۱ مئی کے بعد جو تیور بھارت کی قیادت دکھا رہی تھی اس کے مقابلے میں اب مذاکرات کی پیش کش ۲۸ اور ۳۰ مئی کے واقعات کی ابتدائی رسید ہے اور اگر پاکستان کی قیادت نے صحیح حکمت عملی اور مضبوط موقف اختیار کیا تو آگے کے مراحل بھی طے کیے جانے کا امکان ہے۔ ابھی تو صرف اتنا ہوا ہے کہ ؎

تجاہل‘ تغافل‘ تبسم‘ تکلم

یہاں تک تو پہنچے وہ مجبور ہو کر

کشمیر‘ عالمی مسئلہ: پاکستان کے جوہری دھماکوں کا ایک اہم ترین پہلو یہ ہے کہ کشمیر کے مسئلے کو عالمی سطح پر ایک ایسا مسئلہ سمجھا جانے لگا ہے جس کا حل ضروری ہے--- اور جس کے حل نہ ہونے کے علاقائی ہی نہیں‘ عالمی امن پر بھی بڑے مہلک اثرات مرتب ہو سکتے ہیں‘ یہ ایک تاریخی موقع ہے جس سے پاکستان کو بھرپور سفارتی فائدہ اٹھانا چاہیے۔ مسئلے کو عالم گیر بنانے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ یہی چیز بھارت پر مناسب دباؤ کا ذریعہ بنے گی۔ اندرونی تحریک مزاحمت کی تقویت اور اثر انگیزی کے بعد جی ایٹ‘ پی فائیو سلامتی کونسل‘ اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل‘ امریکہ‘ برطانیہ‘ چین‘ فرانس‘

جاپان اور دوسرے ممالک کی قیادت اور عالمی پریس اور میڈیا نے اس مسئلے کی اہمیت کو محسوس کیا ہے اور کہیں کھل کر اور کہیں دبے لفظوں میں اس کے حل کی ضرورت کا اعتراف کیا ہے۔ ہم اس سلسلے میں چند حوالے پیش کرتے ہیں:

اکانومسٹ لندن اپنے خصوصی مقالے میں اعتراف کرتا ہے کہ:

آخری بات یہ ہے کہ علاقائی تنازعات کی بنیادوں تک جانا ہی ہولناک تباہی کے خطرے سے بچنے کا یقینی راستہ ہے۔ (اکانومسٹ' ۶ جون ۹۸' ص ۲۵)

اسی شمارے کے اداریے میں اکانومسٹ لکھتا ہے:

کشمیر کے سلگتے مسئلے میں مدد دینے کے لیے نئی کوششیں کی جا سکتی ہیں۔ (اکانومسٹ' ص ۱۷)

ٹائمز لندن اپنے ۲۹ جون کے اداریے The Pakistan fallout میں جی ایٹ کو مخاطب کر کے لکھتا ہے:

ایٹمی علاقے کا دورہ کرنے کے لیے کسی سیاسی مذاکرات کار کا تقرر کر دینا چاہیے۔ کینیڈا ایک دولت مشترکہ کا ساتھی ملک ہے اور تخفیف اسلحہ کا پرجوش علم بردار ہے۔ کسی سینئر کینیڈین کو دہلی اور اسلام آباد جانا چاہیے اور گرم فضا کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پہلا قدم بشمول کشمیر پر گفتگو اٹھانا چاہیے۔ کسی نئی جنگ کے اندیشے کو روکنے کے لیے غم و غصے کا اظہار کافی نہیں ہے۔ (دی ٹائمز' ۲۹ مئی ۱۹۹۸)

اکانومسٹ نے اپنی ۱۳ جون کی اشاعت میں مظفر آباد کے نامہ نگار کی رپورٹ شائع کی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ:

ایٹمی تجربات کے بعد' کشمیر نے زیادہ بین الاقوامی توجہ حاصل کر لی ہے۔ کشمیر کا تصفیہ' پاکستان اور بھارت کو امن کے راستے پر آگے بڑھانے کا اور علاقے میں تکالیف' مصائب کم کرنے کا واحد راستہ ہے۔ (اکانومسٹ' ۱۳ جون ۹۸' ص ۷۶)

جیفری اسمتھ کشمیر کے بارے میں خفیہ رپورٹوں کی بنیاد پر لکھتا ہے کہ:

اب ہم حالات و کیفیات کے لحاظ سے اس سے بالکل مختلف ماحول میں کام کر رہے ہیں جس میں ہم تین ہفتے قبل کر رہے تھے۔ جنگ کی موجودہ صورت میں' پاکستانی' صلاحیت کے لحاظ سے بھارت سے اس سے زیادہ قریب ہیں جتنا کہ ان میں سے کوئی سمجھتا ہے۔ (دی انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون' ۶-۷ جون ۹۸' ص ۷۰)

واشنگٹن پوسٹ اپنے اداریے میں کشمیر کے مسئلے کی بنیادی اہمیت کا اعتراف کرتا ہے اور پانچ مستقل ممبروں کو متوجہ کرتا ہے کہ:

پانچوں ممالک کو متنازعہ کشمیر کے سلگتے مسئلے پر فوری توجہ دینا چاہیے' جو دنیا کے پہلے جوہری تبادلے کا امکانی مقام ہے۔ (انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبون' ۳ مئی' ۹۸)

خود بھارت کے اخبارات اور کالم نگار اب کشمیر کے مسئلے کے عالمی افق پر اہمیت اختیار کر جانے کا اعتراف کر رہے ہیں۔ دی ایشین ایج (دہلی و لندن) اپنے اداریے میں لکھتا ہے:

بھارت کے محکمہ خارجہ نے اگرچہ یہ منصوبہ نہ بنایا ہو' لیکن ایٹمی دھماکے کا ایک براہ راست نتیجہ یہ ہوا ہے کہ بین الاقوامی سطح پر کشمیر کا مسئلہ پھر سے سامنے آگیا ہے۔ (دی ایشین ایج' ۶ جون ۹۸)

اسی روزنامے کی کالم نگار سیما مصطفیٰ لکھتی ہے:

کشمیر اب بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے۔ کشمیر اب جوہری ایجنڈے کا غیر متنازعہ حصہ ہے۔

نیویارک ٹائمز میں رابرٹ میک فارلین جو صدر ریگن کا سیکورٹی ایڈوائزر تھا' امریکہ کی قیادت کو متوجہ کرتا ہے کہ:

اسے سب سے پہلے جنوبی ایشیا کی سلامتی کی نازک صورت حال کے سنجیدہ تجزیے اور موجودہ کش مکش کے سب سے آتش فشاں مسئلے' یعنی تنازع کشمیر پر اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔

اسی طرح رانڈ کارپوریشن کا سینئر ایڈوائزر رابرٹ ہنٹر اس امر پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ ان جوہری دھماکوں کے نتیجے میں بیرونی دنیا علاقائی مسائل اور تصادم کے حالات میں

دلچسپی لینے پر مجبور ہوئی ہے۔ لیکن وہ سوال اٹھاتا ہے کہ کیا دنیا کی بڑی طاقتیں موثر رد عمل فراہم کرنے کے لیے تیار ہیں؟ مسائل کی نشان دہی کرتے ہوئے وہ کہتا ہے:

علاقائی سلامتی کا نظام قائم کرنے کے لیے ابتدائی اقدامات کرنے چاہییں۔ کشمیر' امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کی ثالثی کا اہم نکتہ ہونا چاہیے۔ (لاس اینجلز ٹائمز' ۵ جون ۹۸)

ڈیلی ٹیلی گراف کا دفاعی نامہ نگار ڈیوڈ پرائس جونس لکھتا ہے:

صاف نظر آ رہا ہے کہ شرق اوسط اور برعظیم پاک و ہند کے پرانے علاقائی تنازعے' عالمی اہمیت کے حامل زندگی اور موت کے نازک مسئلے بننے والے ہیں جن کے اثرات ان علاقوں سے دور دور تک ہوں گے۔ (دی ٹیلی گراف مئی ۱۹۹۸)

عالمی آرا کے اس جائزے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جوہری دھماکے کا ایک دور رس اہمیت کا حامل نتیجہ کشمیر کے مسئلے کا عالمی سطح پر شعور اور اس کے حل میں دلچسپی کا رونما ہونا ہے۔ یہ ایک تاریخی موقع ہے جسے تغافل یا نااہلی سے ضائع کر دینا ناقابل معافی جرم ہو گا۔ ضروری ہے کہ پاکستان اپنی بہترین صلاحیت سے کشمیر کے مسئلے کو دنیا کے سامنے لائے اور اس کے حل کی کوششوں میں کسی قسم کی سستی اور انقطاع نہ آنے پائے۔ نیز یہ کام' جیسا کہ ہم نے بار بار واضح کیا ہے' صرف موثر اور مسلسل سفارتی مساعی ہی کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ تحریک مزاحمت کی تقویت اور پشت پناہی اس کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ کشمیر کے عوام بھارت کے ظلم کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔ ہمیں ان کے حق خود ارادیت کی حمایت اور اس جدوجہد کی کامیابی کے لیے بڑے سے بڑا خطرہ انگیز کرنے میں بھی باک نہیں ہونا چاہیے۔

جوہری دھماکے بحث کا موضوع

ان اہم اور دور رس اثرات کے ساتھ ساتھ ایک بڑا بنیادی نتیجہ ان جوہری دھماکوں

کا یہ بھی ہوا ہے کہ ایک بار پھر جوہری مہلک ہتھیاروں سے دنیا کو پاک کرنے کا مرکزی موضوع زندہ ہو گیا ہے۔ امریکہ اور مغربی اقوام کی اصل دلچسپی جوہری ہتھیاروں سے نجات اور دنیا کو پاک کرنا نہیں بلکہ ان کے ذریعے اپنی بالادستی کو قائم رکھنا اور توازن قوت کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کرنا ہے۔ این پی ٹی، سی ٹی بی ٹی، جوہری مادہ کی افزودنی پر روک اور میزائل نظام کے فروغ پر قدغن کے معاہدے سب اس عالمی کھیل کا حصہ ہیں۔ پانچ بڑوں کی بالاتر حیثیت کو ایک مدت کے بعد مئی کے دھماکوں کی شکل میں چیلنج کیا گیا ہے اور اب عالمی ایوانوں اور رسائل و اخبارات کے کالموں میں یہ بحث دوبارہ تازہ ہو گئی ہے کہ جوہری ہتھیاروں کو تلف کرنے (elimination) پر توجہ مرکوز کی جائے اور اس سے فرار کا جو راستہ بڑی طاقتوں نے اختیار کیا تھا، اس سلسلے میں ان پر نیا دباؤ ڈالا جائے۔

صدر کلنٹن پاکستان کے دھماکے پر تو نوحہ کرتے ہیں کہ جنوبی ایشیا اکیسویں صدی میں جوہری بموں کا پشتارہ اپنے کاندھوں پر لاد کر داخل ہونے کی حماقت کر رہا ہے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ خود امریکہ آٹھ ہزار بم اور اتنے ہی جوہری اسلحے کا پہاڑ اپنے سر پر سجائے اکیسویں صدی میں داخل ہو رہا ہے۔ پھر یہ اصرار کر رہا ہے کہ صرف نیوکلیر لڑائی ہی نہیں عام ہتھیاروں کی جنگ میں بھی جوہری ہتھیار استعمال کرنے کا اس کا حق محفوظ ہے۔ لندن ٹائمز میں مطبوعہ ایک خط میں پروفیسر جوزف روٹ بلاٹ امریکی صدر کے ایک حکم نامہ نمبر ۶۰ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

گذشتہ موسم سرما میں امریکہ کی اعلیٰ فوجی کمان کے سامنے آنے والی دستاویز (PDD-60) سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکی حکومت نہ صرف جوہری حملے، بلکہ کسی بھی طرح کے اسلحے سے حملے کے خلاف، ضروری سد جارحیت کے لیے جوہری اسلحہ برقرار رکھنے پر غور کرے گی۔ دوسرے الفاظ میں یہ جوہری اسلحے کے پہلے استعمال کی اجازت دے گی"۔ (دی ٹائمز، ۲ جون ۱۹۹۸)

پروفیسر روٹ بلاٹ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

ہم دہرے معیار کو برداشت کرتے نہیں چلے جا سکتے۔ جوہری مسئلے کو حل کرنے کا

قطعی طریقہ یہ ہے کہ ایک کثیر قومی معاہدے کے تحت تخفیف اسلحہ کے باہمی' متوازن' قابل تصدیق اقدامات کے ذریعے جوہری اسلحہ ختم کر دیا جائے۔

اسی طرح فنانشل ٹائمز کا ایک مکتوب نگار پال والٹر لکھتا ہے:

کلنٹن کی بھارت اور پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کی مذمت کو کیا وزن دیا جا سکتا ہے جب کہ اس کے دفتر کے باہر ایک میرین ایک بریف کیس لیے کھڑا ہے جس کے ذریعے اس کرۂ ارض سے کل زندگی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ (فنانشل ٹائمز' خطوط' ۳ جون ۹۸)

یہ کوئی معمولی خدمت نہیں ہے کہ دنیا کے سیاسی ایوانوں میں جوہری ہتھیاروں کے وجود اور بڑی طاقتوں کی اجارہ داری کو چیلنج کیا جانے لگا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اب سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی پر دستخطوں کی لاحاصل اور بے معنی بحث میں الجھنے کے بجائے دنیا کو جوہری ہتھیاروں اور ہلاکت عام کے تمام ہتھیاروں سے پاک کرنے کی مہم چلائی جائے اور پاکستان اور امت مسلمہ اس میں عالم انسانی کی رہنمائی اور قیادت کرے۔ اس طرح ہم ایک ردعمل (reaction) نہیں بلکہ ایک پیش بین (pro-active) پالیسی کے علم بردار بن سکیں گے اور پوری انسانیت کے ضمیر کو بیدار کرنے اور عوامی قوت کو ظالم حکمرانوں کے مقابلے میں صف آرا کرنے کا تاریخی کارنامہ انجام دے سکیں گے۔

مسئلہ جوہری عدم پھیلاؤ کا نہیں بلکہ جوہری ہتھیاروں کے مکمل خاتمے (total elimination) کا ہے۔ اور پاکستان کے جوہری دھماکوں نے کم از کم سوچنے سمجھنے والے لوگوں کو اس اصل مسئلے کی طرف متوجہ کرنے اور ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کا کام انجام دیا ہے۔

مسلم دنیا میں لہر: پاکستان کے جوہری دھماکے کے کچھ نہایت مثبت اثرات خود ملک میں اور بہ حیثیت مجموعی عالم اسلام میں رونما ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ قوم کے عزم و حوصلہ کو نئی زندگی ملی ہے' خود اعتمادی پیدا ہوئی ہے' عزت نفس کا احساس گہرا ہوا ہے' اللہ پر بھروسا کرنے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا ہوا ہے'

عالمی سیاست کے نشیب و فراز کو سمجھنے' دوست اور دشمن میں تمیز کرنے اور مدمقابل کے کھیلوں اور چالوں کو سمجھنے کا داعیہ پیدا ہوا ہے۔ اس ایک واقعہ نے قوم میں نہ صرف زندگی کی نئی لہر دوڑائی ہے' بلکہ آپس میں اتحاد اور اتفاق' یکسانی و یک رنگی' اور دوسروں کی محتاجی کے مقابلے میں اپنے اوپر بھروسے کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ عزت' اعتماد اور اتحاد وہ چیزیں ہیں جو قوموں کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنتی ہیں اور دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتی ہیں۔ یہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ اسے کوئی بڑی سے بڑی قیمت دے کر بھی حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

یہ کیفیت صرف پاکستان اور ساری دنیا میں بسنے والے پاکستانیوں ہی کی نہیں' بلکہ کم و بیش دنیا کے تمام مسلمانوں کی ہے۔ ۲۸ مئی کے دھماکے کے بعد میرے پاس دنیا کے گوشے گوشے سے اور ہر علاقے سے مختلف زبانیں بولنے والے مسلمان آئے جو خوشی اور فخر سے پھولے نہیں سماتے تھے اور کہتے تھے کہ آج پاکستان نے ہماری عزت رکھ لی ہے۔ بم کا کوئی مذہب نہیں ہوتا لیکن پاکستان کی جوہری صلاحیت کو پوری امت مسلمہ نے اپنی صلاحیت سمجھا ہے اور بے ساختہ دل اس فرقان الٰہی کی تائید میں رقص کناں ہو جاتا ہے کہ ان ھذہ امتکم امۃ واحدہ بے شک تمھاری یہ امت ایک امت ہے!

اس سلسلے میں معلومات تو بے حساب ہیں لیکن صرف عرب دنیا کے چند اہم اخبارات میں شائع شدہ احساسات کو بطور نمونہ پیش کرنا بے محل نہ ہو گا۔ سعودی عرب کے اخبار الریاض نے ادارتی تبصرے میں کہا ہے:

یہ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ پاکستان کی حمایت کریں جو پہلی اسلامی سد جارحیت کی قوت ہو سکتا ہے۔ (بحوالہ فار ایسٹرن اکنامک ریویو' ۶ جون ۱۹۹۸' ص ۲۸)

الشرق الاوسط کا تبصرہ یہ ہے:

بہت سے مسلم ممالک خوشی کی لہر محسوس کریں گے جب کہ امریکہ جیسی فیصلہ ساز طاقتوں کی رگوں میں پاکستان کے ایٹمی کلب میں داخل ہونے سے خون منجمد ہو جائے گا۔ (گارڈین' ۳ جون ۱۹۹۸' ص ۱۹)

القدس العربی پاکستان کے جوہری تجربے کے آئینے میں عرب صورت حال کا جائزہ لیتا ہے:

پاکستان نے، جس کی سربراہی ایک منتخب وزیر اعظم کر رہا ہے، پہلا اسلامی ایٹم بم تیار کر لیا ہے، جب کہ تمام عرب حکومتیں مل کر بھی، جن میں وہ بھی ہیں جن پر فوجی حکومت کر رہے ہیں، ایک ٹینک بھی نہیں بنا سکے ہیں--- عرب ممالک کے پاس جوہری اسلحہ بنانے کے لیے وسائل بھی ہیں اور ضرورت اور جواز بھی۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

لندن کا الحیات پاکستان کے تجربے پر اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے:

پاکستان ساتویں ایٹمی طاقت ہے، اور اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت۔

امارات کا اخبار الخلیج پاکستان کی کامیابی کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

اس علاقے میں صرف اسرائیل کے پاس ایٹمی اسلحہ ہے، جبکہ مقابلے میں عرب جوہری سد جارحیت حاصل کرنے میں ناکام ہیں۔ (بحوالہ دی ڈیلی ٹیلی گراف، ۳۰ مئی ۹۸)

دی گارڈین کا شرق اوسط کا نامہ نگار ڈیوڈ ہرسٹ لکھتا ہے:

"پاکستان اور بھارت کے ایٹمی دھماکوں نے راتوں رات شرق اوسط کو زیادہ خطرناک علاقہ بنا دیا ہے۔ یہ خطرات پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر عرب اسرائیل معاہدہ امن بے نتیجہ جاری رہتا ہے تو خطرے کی حد پار کر لی جائے گی اور ہلاکت عام کا اسلحہ علاقے میں آ جائے گا۔ "عرب بم" بنانے کے لیے نئی اپیلیں کی جا رہی ہیں تا کہ ایٹمی اسلحے پر اسرائیل کی طویل المدت غیر اعلان شدہ اجارہ داری ختم کی جا سکے۔ (دی گارڈین، ۳ جون ۹۸، ص ۱۵)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح پاکستان کے جوہری تجربے نے پوری امت مسلمہ کو بیدار کر دیا ہے اور اسے درپیش خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے نیا حوصلہ دیا ہے۔

پاک چین دوستی، نیا دور: ایک اور قابل ذکر پہلو پاکستان اور چین کی تاریخی

دوستی کا مزید مستحکم ہو جانا ہے۔

اول : بھارتی وزیراعظم نے ۱۱ مئی کے دھماکے کے بعد دنیا کے اہم ملکوں کے سربراہوں کو ایک خط بھیجا' دوم: وزیر دفاع نے اپنے متعدد بیانات میں چین کے خلاف جنگی جنون کا مظاہرہ کیا' سوم: وزیراعظم کے مشیر نے دہلی میں تمام اہم سفیروں کو ایک بریفنگ دی لیکن پاکستان اور چین کے سفیروں کو اس میں مدعو نہیں کیا' ان حالات میں چین اس خطرناک کھیل کا مزید قائل ہو گیا جو بھارت اس علاقے میں کھیل رہا ہے۔ اس سے پاکستان اور چین دونوں کے ہاں مشترک مفادات کے تحفظ اور مشترک خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے مشترک مساعی کی ضرورت کا احساس اور بڑھ گیا۔

چین کے سرکاری ترجمان' چائنا ڈیلی نے اپنی حالیہ اشاعت (۱۱ جون ۹۸) میں امریکہ کو اس کے دہرے معیار پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے:

> ۸ ہزار جوہری بموں سے مسلح امریکہ کو اپنی جوہری حکمت عملی کو ترتیب نو دینے اور تخفیف اسلحہ کو آگے بڑھانے کے لیے سنجیدہ کوشش کرنا چاہیے۔ امریکہ کی جوہری پالیسی بددیانتی پر مبنی ہے۔ اس پر نظرثانی کرنا چاہیے۔ یہ پالیسی جوہری اسلحے کے پھیلاؤ کو ایک ناگزیر رجحان بنا رہی ہے۔ پاکستان ایٹمی تجربات کرنے والا آخری ملک نہیں ہو گا۔ جب امریکہ دوسرے ملکوں کو جوہری اسلحے کی دھمکی دے گا تو یہ دوسرے ممالک لازماً اپنے دفاع کے لیے جوہری پروگرام پر عمل کریں گے۔ (بحوالہ دی ایشین ایج' لندن' ۲۰-۲۱ جون ۹۸)

امریکہ اور بھارت دونوں کی جارحانہ اور امتیازی پالیسیوں نے چین اور پاکستان اور پاکستان اور عرب اور مسلم ممالک کو ایک دوسرے سے اور بھی قریب کر دیا ہے۔ ہمارے جوہری تجربے نے ایک طرف دوستوں میں قربت پیدا کی ہے تو دوسری طرف دوستی کے پردے میں دھونس جمانے والوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ ایسے ہی دوستوں کے بارے میں سچ کہا کہ

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے' دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

درپیش چیلنج

جوہری تجربے کے کچھ مزید قابل غور چیلنج رونما ہوئے ہیں۔ ان میں پانچ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:

اول: امریکہ اور مغربی اقوام سے تعلقات میں کشیدگی کا رونما ہونا۔ دوم: برصغیر میں اسلحے کی دوڑ کا خطرہ' سوم: وہ معاشی اور عسکری پابندیاں جو امریکہ' جاپان اور چند دوسرے ممالک پاکستان پر لگا رہے ہیں' اور ان کے "تباہ کن" اثرات کے خدشات' چھارم: پاکستان کی غربت' تعلیم اور صحت کی سہولتوں کی کمی اور یہ رونا کہ غریب ملک کے لیے جوہری ہتھیار ایک "مجرمانہ عیاشی" ہیں۔ اور پنجم: یہ دینی اور اخلاقی اضطراب کہ جوہری بم کی طرح کے ہلاکت عام کے ہتھیار (weapon of mass destruction) اسلام کے اصول جنگ اور جرم و سزا سے متصادم ہیں اور ان سے نکلنے والے تابکاری اثرات انسان اور زمین دونوں کے لیے نقصان دہ اور اپنے ماحولیاتی اثرات کے اعتبار سے تباہ کن ہیں۔

امریکہ اور مغرب سے تعلقات : جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے' جہاں دنیا کے تمام ممالک سے دوستی اور تعاون کو ہماری خارجہ سیاست کی بنیاد ہونا چاہیے وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ دوست اور غیر دوست میں تمیز کی جائے' وقت پر کام آنے والے اور وقت پر پیٹھ دکھا دینے والے اور پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے کی پہچان ہو۔ ملک و ملت کے حقیقی مفادات کی روشنی میں دوست اور دشمن بنانا آزادی' قومی سلامتی اور عزت کے تحفظ کے لیے ازبس ضروری ہے۔ ہم بھی امریکہ سے دوستی چاہتے ہیں لیکن امریکہ سے دوستی کی پچاس سالہ تاریخ (track record) کی روشنی میں ان حدوں کا تعین ہونا چاہیے جن کی بنیاد پر تعاون اور اعتبار کیا جائے۔ عالمی سیاست میں دوسرے کے مفاد کے لحاظ کے ساتھ اپنے حقیقی مفاد کا تحفظ ضروری ہوتا ہے۔ نیز موقع اور وقت کے لحاظ سے علاقائی صورت حال کی روشنی میں قوت معاملہ و مجادلہ (bargaining power) سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔

صدر ایوب خان نے ۱۹۶۲ میں ایک تاریخی موقع گنوا دیا۔ جنرل ضیا الحق نے روس کے افغانستان میں اقدام سے پوری ہوشیاری سے فائدہ اٹھایا اور پاکستان جوہری پروگرام کو ساری مخالفت کے باوجود اس مقام تک لے آئے جہاں مدمقابل کے لیے حقائق کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ گو پہلا موقع پاتے ہی صدر بش نے سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے صاف انکار کردیا اور تاریخی دوستی کا کوئی پاس نہ کیا۔ بڑی طاقتوں سے تعلقات باہمی مفادات کی بنیاد پر ہوتے ہیں اور وقت کے نشیب و فراز ان کے بارے میں بڑے فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ ماضی میں ہم نے صحیح وقت پر اپنی حیثیت سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھایا اور اس کی سزا بھگتی۔

پاکستان کوئی کمزور اور غیر اہم ملک نہیں ہے۔ اس کی ایک استرے تیجک اہمیت ہے۔ چودہ کروڑ کا یہ ملک جغرافیائی' معاشی اور سیاسی اعتبار سے وسط ایشیا کے لیے سیڑھی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے افرادی اور مادی وسائل --- اس کی استرے تیجک حیثیت کو مزید مضبوط کرتے ہیں۔ خالص معاشی پہلو سے بھی یہ ایک اہم مارکیٹ ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں جتنی ضرورت ہمیں امریکہ اور مغربی اقوام سے دوستی کی ہے اتنی ہی ان کو ہماری بھی ضرورت ہے۔ اس لیے دوستی سے محرومی کا ہوا' غیر حقیقی ہے۔ بلکہ ایک نعمت غیر مترقبہ ہے تا کہ تعلقات محتاجی (dependance) اور طفیلی حیثیت (client states) کی بنیاد پر نہیں بلکہ مفاد باہمی اور سیاسی دوستی کی بنیاد پر ہو سکیں جن میں دونوں اپنے مفاد کے مطابق حصہ پا سکیں۔ جن معاملات میں ہمارا قومی مفاد یا امت مسلمہ کا مجموعی مفاد ان کے مفاد سے متصادم ہو' وہاں ہم لکم دینکم ولی دین (تم اپنے طریقے پر اور ہم اپنے طریقے پر) کہہ سکیں۔

در حقیقت جوہری صلاحیت کا اظہار ایک کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ کون ہمارا حقیقی دوست ہے اور کس کی دوستی ناقابل اعتماد ہے۔ امریکہ کے مقابلے میں چین' ایران' سعودی عرب' ملایشیا' امارات' بنگلہ دیش اور حتیٰ کہ جاپان اور کوریا نے اپنی اپنی مشکلات کے باوجود جس طرح اپنے رد عمل کا اظہار کیا ہے

وہ اپنے اندر ہمارے لیے روشنی اور عبرت کے بہت سے سبق رکھتا ہے اور اس طرح خود بھارت کے سلسلے میں امریکہ اور روس نے جو رویہ اختیار کیا ہے' وہ ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ اگر ابھی تک کسی کی آنکھیں نہ کھلی ہوں تو!

اسلحے کی دوڑ : دوسرا مسئلہ اسلحے کی دوڑ کا ہے۔ اس بارے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ اسلحے کی دوڑ ہرگز ہمارے مفاد میں نہیں اور ہم لمبے عرصے تک اس کا بار بھی نہیں اٹھا سکتے۔ اس پورے علاقے کے بارے میں بھارت کے عزائم سے کون واقف نہیں' وہ آنکھیں بند کر کے اپنے عزائم کی تکمیل کی جانب بگ ٹٹ جا رہا ہے اور روس کی طرح اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ ہمارے لیے اس باب میں احتیاط اور تدبر بے حد ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کم سے کم درجے کی موثر سد جارحیت (minimum credible deterrance) ہی اسلحے کی دوڑ کا علاج ہے۔ ہم اپنی آزادی اور قومی سلامتی کا سودا نہیں کر سکتے' لیکن ان کے تحفظ کے لیے کوئی ایسا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے جو ملک کو دیوالیہ کر دے۔ بیچ کا راستہ یہی ہے کہ حقیقی سد جارحیت کی صلاحیت پیدا کی جائے اور اسے برقرار رکھا جائے۔ اس کے لیے برابری ہرگز ضروری نہیں اور نہ مخالف قوت کے ہر اقدام پر ردعمل ضروری ہے۔ البتہ اتنی صلاحیت کی موجودگی ازبس ضروری ہے جس سے مخالفین جان لیں کہ ان پر کاری ضرب لگانے کی طاقت ہمارے پاس ہے اور مسئلہ صرف پہلے وار ہی کا نہیں بلکہ پہلے وار کے بعد دوسرے وار کا انتظام بھی ہے۔ یہ سد جارحیت کا ایک حرکی (dynamic) تصور ہے' اور اس کے لیے جوہری صلاحیت کا اعلان و اظہار اب ناگزیر ہو گیا تھا۔

یہاں اس امر کی وضاحت بھی کر دی جائے کہ روایتی سامان جنگ میں بھارت ہم سے کہیں زیادہ قوت و صلاحیت رکھتا ہے اور اسے مزید بڑھا رہا ہے۔ زمینی مقابلے میں ہماری اور اس کی صلاحیت میں ۲.۵۰:۱ کی نسبت ہے' ہوائی جنگ کی صلاحیت میں یہ نسبت ۴:۱ اور بحری جنگ کے باب میں ۷:۱ یا اس سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ گذشتہ دس سال سے بھارت اپنے دفاعی اخراجات میں سالانہ ۱۰ سے ۱۴ فی صد اضافہ کر رہا ہے اور اس سال یہ

مجموعی اضافہ ۱۴ فی صد اور جوہری تحقیق و تیاری کے بجٹ میں ۵۰ فی صد ہے، اس لیے اس دوڑ میں ہم شریک ہو کر آگے نہیں نکل سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس اتنی جوہری صلاحیت ہو کہ بھارت کی روایتی سازوسامان کی برتری کو غیر موثر بنا دیں۔

پھر یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ بھارت کے پلوٹونیم پر مبنی جوہری پروگرام کے مقابلے میں ہمارا یورنیم افزودگی پر مبنی پروگرام لاگت کے اعتبار سے سستا، فنی اعتبار سے زیادہ بہتر اور قابل اعتماد اور تابکاری اثرات کے اعتبار سے کم نقصان دہ ہے۔ کچھ پروسس (processes) کے سلسلے میں ہم نے کم وقت میں اور کم اخراجات سے وہ نتائج حاصل کر لیے ہیں، جن کے لیے بھارت نے ہم سے تین اور چار گنا زیادہ اخراجات برداشت کیے ہیں۔ اس لیے جہاں ہمارے لیے ضروری ہے کہ مادہ کی افزودنی، تصغیر (minituerization) اور اسلحہ سازی (weaponization) کی وہ سطح حاصل کر لیں جو پہلی اور دوسری ضرب کے لیے ضروری ہیں، وہیں ہمیں تعداد کے بارے میں مساوات اور مسابقت کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اور یہ صرف موثر جوہری صلاحیت ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

اس کے ساتھ ہی اپنی پوری دفاعی حکمت عملی کا جائزہ لینا چاہیے۔ ہوائی قوت کو مزید مستحکم کرنے اور ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح بحری قوت کو ایک اسٹریٹیجک حد تک لانا ضروری ہے۔ اس کے مقابلہ میں بری جنگی صلاحیت کو کار آمد بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ایک مربوط دفاعی نظام وجود میں آسکے۔ اس کے ساتھ ساتھ الیکٹرانک جنگ (warfare) کی صلاحیت کا پیدا کرنا ضروری ہے۔ آج اصل چیز تعداد اور کمیت نہیں، کیفیت اور برق رفتار تیر بہ ہدف دفاعی صلاحیت ہے۔ نیز تربیت، ٹکنالوجی اور مہارت فیصلہ کن قوت بن گئے ہیں۔ بہتر تربیت یافتہ اور مناسب ہتھیاروں سے آراستہ مختصر فوج ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔

اس کے ساتھ عوام کی عسکری تربیت بھی ضروری ہے کیوں کہ تربیت یافتہ عوام وقت پڑنے پر دفاع کی دوسری لائن بن سکتے ہیں۔ اس لیے سامراجی دور میں دفاع کے لیے

جو حکمت عملی پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے تجربات کی روشنی میں بنائی گئی تھی اور یا جوہری قوت سے قبل کی ٹکنالوجی کے پس منظر میں جو حکمت عملیاں بنائی گئیں ان پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔ ہماری نگاہ میں اسلحہ دوڑ کا ہوا' ایک واہمہ ہے اور اس سے شعوری طور پر بچنا ہماری ضرورت ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ موثر دفاعی نظام کی موجودگی جو جوہری قوت کی مرکزی حیثیت سے مربوط ہو' وقت کا تقاضا ہے۔ اس سلسلے میں جوائنٹ چیفس کا ادارہ ایک موثر کردار ادا کر سکتا ہے لیکن اب تک ہم نے اسے اس کے صحیح مقام تک ترقی نہیں دی۔ نیز جوہری ہتھیاروں کے سلسلے میں بھی جن مددگار صلاحیتوں (supportive capabilities) کی ضرورت ہے' ان کی فکر کرنی چاہیے۔ اس میں مادہ کی افزودنی کا دفاعی اور تجارتی بنیادوں پر اہتمام' انٹیلی جنس اور نگرانی (survillance) کا موثر نظام' ترسیلی نظام کی مزید ترقی اور بہتری اور ایک قابل اعتماد نظام تنسیق و تحکیم (system commandand control) قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے ہر چیز کسی نہ کسی درجے میں موجود ہے لیکن ان کی مزید ترقی و تزئین ضروری ہے اور یہی دراصل اسلحے کی دوڑ سے بچنے کا راستہ ہے۔

معاشی اور دفاعی رسد: تیسرا مسئلہ معاشی' مالی اور دفاعی سامان کی رسد پر پابندیوں کا ہے۔ جہاں تک پابندیوں کے لگائے جانے کا سوال ہے' یہ ہمارے اختیار میں نہیں۔ اگر امریکہ یا کوئی اور ملک اس پر ادھار ہی کھائے بیٹھا ہے تو یہ شوق بھی پورا کر لے۔ ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ کوئی آزاد اور باغیرت قوم محض دوسروں کی پابندیوں کے خوف سے اپنی سلامتی اور وجود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ بقول جوش:؎

عشق و آزادی بہار زیست کا سامان ہے
عشق میری جان' آزادی مرا ایمان ہے
عشق پر کر دوں فدا میں اپنی ساری زندگی
لیکن آزادی پہ میرا عشق بھی قربان ہے

تاریخ گواہ ہے' پابندیاں کبھی بھی کسی ملک کی راہ کھوٹی نہیں کر سکی ہیں بلکہ

صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ع

بڑھتا ہے ذوق جرم، یہاں ہر سزا کے بعد

۱۹۱۷ کے اشتراکی انقلاب کے بعد ۲۰ سال تک ساری سرمایہ دار دنیا نے روس پر پابندیاں لگائیں مگر کیا حاصل ہوا؟ کیوبا میں ۱۹۶۲ سے پابندیاں لگی ہوئی ہیں لیکن امریکہ جیسی سوپر پاور اس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ کر سکی۔ چین کو ۱۹۴۹ کے انقلاب کے بعد ۳۰ سال تک تسلیم نہ کیا گیا اور اس کا مکمل تجارتی مقاطعہ کیا گیا بلکہ ایک وقت آیا کہ امریکہ ہی نہیں، روس بھی اس مشق ستم میں شریک ہو گیا، لیکن حاصل؟۔ جنوبی افریقہ، لیبیا، ایران، عراق، برما کون سا ملک ہے جو ان کا تختہ مشق نہیں بنا۔

بقول کسنجر، آج دنیا کے ۷۳ ممالک ایسے ہیں جن پر امریکہ نے گذشتہ ۵۰ سال میں کسی نہ کسی وقت معاشی پابندیاں لگائی ہیں لیکن ان کی اثر انگیزی محل نظر ہے۔ جس طرح ندی نالے، پہاڑوں میں پتھروں کے راستہ روکنے کے باوجود اپنا راستہ نکال لیتے ہیں، اسی طرح ان پابندیوں کا بھی توڑ کر لیا جاتا ہے۔ نیز ان کی وجہ سے اندرونی پیداواری صلاحیت میں ترقی ہوتی ہے اور ملک خود کفالت کی طرف بڑھتا ہے۔ ایران عراق جنگ کے دوران جتنی پیداواری صلاحیت ایران میں چند سالوں میں پیدا ہوئی، وہ عام حالات میں دس پندرہ برس میں بھی نہیں پیدا ہو سکتی۔ خود ہم پر ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ میں پابندیاں لگیں۔ ۱۹۷۹ سے ہم جوہری صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کے جرم میں پابندیوں کی گرفت میں ہیں لیکن کیا ہم نے دس سال میں ساری پابندیوں کے باوجود وہ صلاحیت پیدا نہیں کر لی جو امریکہ اور روس نے ہم سے دوگنے عرصے میں پیدا کی تھی؟

اگر تحقیقی نظر سے جائزہ لیا جائے تو ملک کی معیشت کا صرف پندرہ سے بیس فی صد بین الاقوامی تجارت یا سرمایہ کاری سے متاثر ہوتا ہے۔ ۸۵ فی صد معیشت اس کی زد میں نہیں ہے۔ نیز جو حصہ متاثر ہوتا ہے اس کا بھی بمشکل دس فی صد وہ ہو گا جو بلاواسطہ امریکہ اور جاپان کی عائد کردہ پابندیوں سے متاثر ہو گا۔ سرکاری سودے (dealings) پابندیوں سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ نجی شعبے پر اس کے اثرات محدود ہوتے ہیں یا متبادل

راستے کا حصول آسان ہو تا ہے۔ پھر پابندیوں کا اثر صرف پابندی کے شکار ممالک ہی پر نہیں ہوتا' پابندی لگانے والے ملک کے مالیاتی اور تجارتی ادارے بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ خصوصیت سے جب وہ ملک بڑی آبادی والے ہوں جن پر پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ بھارت اور پاکستان کے رہنے والے دنیا کی آبادی کا چھٹا حصہ ہیں' ان پر پابندیوں کی زد ہم پر تو ہے ہی' لیکن خود امریکہ اور جاپان کی صنعت اور تجارت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

اگر امریکہ اور جاپان کے پاس پابندیاں لگانے اور مزید قرضے نہ دینے کی قوت ہے، تو ہم بھی بالکل بے سہارا نہیں' قرضوں کے باب میں فوری مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ان پر قابو پانا مشکل نہیں۔ ہم بھی ماضی کے قرضوں کی ادائیگی کو موخر کر سکتے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے تیرہ ممالک نے' پیرو کے راستہ دکھانے کے بعد' یہ طریقہ اختیار کیا اور عالمی ساہوکار قرضوں کی ری شیڈولنگ پر مجبور ہوئے۔ ورلڈ بنک کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق' ۳۱ ممالک ایسے ہیں جن کے قرضے معاف کیے گئے یا ان کے لیے نیا نظام الاوقات بنایا گیا۔ کسی ستم ظریف نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اگر میں چند ڈالر کا مقروض ہوں تو فکرمند مجھے ہونا پڑتا ہے لیکن اگر قرض کروڑوں اور اربوں کا ہے تو پھر زیادہ فکرمند قرض دار نہیں' قرض خواہ (Lender / Banker) کو ہونا پڑتا ہے۔ بات یک طرفہ نہیں دو طرفہ ہے۔

اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اب تک تجارت کے عمومی معاہدے (GATT) اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کے دروبست کے تحت سارا دباؤ ترقی پذیر ملکوں پر رہا ہے کہ تجارت کو آزاد کریں۔ ڈبلیو ٹی او کے دستور میں ایسی گنجائش موجود ہے کہ تجارت پر من مانی پابندیوں کی صورت میں امریکہ' جاپان اور دوسرے ترقی یافتہ ملکوں کے خلاف بھی کارروائی کی جاسکتی ہے۔ گو طاقتور سے انصاف کی توقع نہیں لیکن ان کو بھی زچ تو کیا ہی جا سکتا ہے۔

یہ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن درحقیقت ان پابندیوں سے سب سے اہم فائدہ یہ ہو

سکتا ہے کہ ہم قرض اور سود پر مبنی معاشی ترقی کی حکمت عملی کی زنجیروں سے نجات پانے اور اسراف اور تبذیر کی زندگی سے بچنے کی موثر کوشش کریں اور ملک و معیشت کو خود اعتمادی' خود انحصاری' اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے اور چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے کے راستے پر لا سکیں۔ اگر قوم اور اس کی قیادت اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح حکمت عملی بنا لے اور اٹھ کھڑی ہو تو یہ پابندیاں سب سے بڑی نعمت ثابت ہو سکتی ہیں۔

غریب ملک' بم کی عیاشی: چوتھا اعتراض غربت کے ماحول میں بم کی عیاشی سے عبارت ہے۔ بلاشبہ غربت بہت سے مسائل کا سبب ہے۔ تعلیم' صحت' صفائی اور صاف ستھرے پانی کی کمی سب ہمارے قومی جسم پر ناسور ہیں جن کے علاج کی ضرورت ہے' لیکن ان کے نام پر قومی سلامتی' ملک و ملت کی آزادی اور عزت کو داؤ پر لگا دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔ ملک ہو گا تو تعلیم اور ترقی کا بھی امکان ہے۔ اگر ہم اپنی آزادی اور عزت ہی کھو دیتے ہیں تو تعلیم و ترقی کا حاصل یہ اعتراض ژولیدہ فکری پر مبنی ہے یا مفاد پرست طبقات کے ذہن کی اختراع ہے۔

غربت اور محرومی کی وجہ جوہری صلاحیت کی ترقی پر توجہ یا وسائل کا استعمال نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ وہ ظالمانہ اور استعماری نظام ہے جو ملک پر مسلط ہے اور جس کی چھتری تلے مفاد پرست عناصر ملک کو لوٹ رہے ہیں۔ آج ملک ۱۰۰ بلین ڈالر سے زیادہ کے بیرونی اور اندرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے جس کے معنی ہیں کہ ہر خاندان ۳ سے ۴ لاکھ روپے کا مقروض ہے۔ لیکن ان قرضوں سے فائدہ کتنے لوگوں نے اٹھایا ہے اور ان کا بوجھ پوری قوم پر پڑ رہا ہے۔

جوہری صلاحیت کی ترقی تو قومی سلامتی کے لیے ضروری ہے اور یہ نسخہ کم خرچ بالانشین ہے۔ غربت کا خاتمہ کرنے اور تعلیم و صحت کی سہولتوں کو فراہم کرنے کے لیے جس جدوجہد اور معاشی حکمت عملی کی ضرورت ہے اور اس کے لیے لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کے جس بازار کو بند کرنے کی ضرورت ہے آیئے' اس کی طرف توجہ دیں۔ اس کے لیے جوہری صلاحیت پر خرچ بچانے کی ضرورت نہیں!

اخلاقی سوال: آخری اعتراض دینی اور اخلاقی بنیادوں پر کیا جا رہا ہے۔
بلاشبہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے جنگ اور دشمنی کے لیے بھی اخلاقی ضابطہ بنایا اور ہم ایک مسلمان امت کی حیثیت سے اس ضابطے کے پابند ہیں۔ اسلام نے حربی (belligerent) اور غیر حربی (non belligerent) میں تمیز کی اور ایک کو جنگ میں ہدف بنایا اور دوسرے کو تحفظ عطا کیا۔ دنیا کو آج پہلے سے بھی زیادہ ان تعلیمات کی ضرورت ہے۔ اور ہمیں ان کا علم بردار ہونا چاہیے اور اس کا تقاضا ہے کہ ہماری نیوکلیر ہی نہیں پوری دفاعی پالیسی میں عام تباہی (mass destruction) کے تمام اسلحے سے دنیا کو فی الحقیقت پاک کرنے کو مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہیے۔ ہمیں اس بارے میں پیش بین (pro-active) پالیسی پر عمل کرنا چاہیے۔ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس طرح ماحولیات پر مضر اثر ڈالنے والی تمام سرگرمیوں کی فکر ہونی چاہیے جو تابکاری سے لے کر ہوا' پانی اور غذا ہر ایک کو آلودگی سے پاک کرنے سے عبارت ہو۔ ہم سمجھنے سے قاصر ہیں کہ سارا واویلا صرف جوہری صلاحیت کے سلسلے میں کیوں ہے؟ مسئلہ ہمہ گیر ہے اور اس کا حل بھی ہمہ گیر ہی ہو سکتا ہے۔

ہم واضح کر چکے ہیں کہ جوہری اسلحہ کا اصل مقصد ان کا استعمال نہیں' بلکہ سدجارحیت ہے۔ یہ جنگ کے لیے نہیں جنگ کو روکنے اور اس کی تباہ کاریوں سے اپنے علاقے اور پوری دنیا کو بچانے کے لیے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان دو ملکوں کے درمیان کبھی کوئی جنگ نہیں ہوئی جو ایٹمی اسلحہ سے مسلح ہوں اور دونوں کو پتا ہو کہ جنگ کے نتائج کیا ہوں گے۔ ایٹمی جنگ ان ممالک پر مسلط کی گئی' جو خود ایٹمی اسلحے سے محروم تھے اور دشمن کے لیے تر نوالہ بن گئے۔ اگر جاپان کے پاس بھی ۱۹۴۵ میں ایٹمی اسلحہ ہوتا تو امریکہ اپنی ساری شان و شوکت کے باوجود ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم نہیں گرا سکتا تھا۔ ہمارے سامنے ایٹمی صلاحیت کا حصول جنگ کو روکنے کے حالات پیدا کرنے کے لیے ہے' دنیا کو جنگ میں جھونکنے کے لیے نہیں' اور یہی وہ مقامات ہیں جہاں شریعت نے عام قاعدے کے ساتھ استثنا کے اصول کی گنجایش رکھی ہے۔

جنگ ایک ناپسندیدہ چیز ہے لیکن الفتنہ اشد من القتل یعنی فساد و فتنہ قتل سے بھی زیادہ مہلک ہیں۔ اسلام جان و مال کی حفاظت کے لیے آیا ہے لیکن ایمان اور آزادی کے تحفظ کے لیے جان و مال کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے۔ فقہا تو یہاں تک گئے ہیں کہ گو ایک معصوم انسان اور ہر کلمہ گو کی جان سب سے قیمتی متاع ہے اور جائز حق کے بغیر اسے تلف کرنا پوری انسانیت کو تباہ کرنے کے مترادف ہے' لیکن اگر کفار کے ساتھ جنگ میں کفار معصوم مسلمانوں کو ڈھال بنا کر دارالاسلام کو تباہ کرنے کی لڑائی لڑیں تو ایسی لڑائی میں ڈھال (human shields) کے طور پر استعمال کیے جانے والے افراد کو بھی نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ یہ سب ناپسندیدہ اور استثنائی صورتیں ہیں لیکن زندگی کے تلخ حقائق کا مقابلہ کرنے اور بڑی برائی اور مصیبت سے قوم و ملت کو بچانے کے لیے ان تمام اقدام کی گنجایش ہے۔ انھی کی روشنی میں ہم اس رائے کے حامل ہیں کہ قومی سلامتی کے تحفظ اور مسلمانوں کی آزادی اور عزت کی حفاظت کے لیے ایٹمی صلاحیت پر مبنی سد جارحیت ضروری ہے تاکہ جنگ کے خطرے سے خود بھی بچا جائے اور دوسروں کو بھی بچایا جا سکے اور مدمقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا جا سکے:

ہاتھ میں مت اٹھایئے پتھر
آپ شیشے کے گھر میں رہتے ہیں

پس چہ باید کرد

جوہری تجربے کے منفی اثرات اور حقیقی اور خیالی خدشات کے اس جائزے کے بعد' اب ضرورت ہے کہ مستقبل کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے صحیح حکمت عملی کے خدوخال واضح کیے جائیں تاکہ قوم کے سامنے اصل ایجنڈا اپنی صحیح شکل میں آ جائے۔

سب سے پہلے اس امر کی ضرورت ہے کہ ان بنیادوں کو ایک بار پھر واضح کر دیا جائے جن پر قومی ایجنڈے کو مرتب ہونا چاہیے۔ وہ بنیادیں یہ ہیں:

ا۔ پاکستان کی اصل منزل ایک حقیقی اسلامی معاشرہ اور ریاست کا قیام ہے تاکہ

قرآن و سنت کے دیے ہوئے دستور حیات پر عمل ہو سکے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کی جا سکے۔ ہماری آزادی کی منزل اللہ کی غلامی میں زندگی گزارنے کا موقع اور صلاحیت کار کا حصول ہے۔

۲۔ پاکستان امت مسلمہ کا حصہ اور اس کا خادم ہے۔ ہم پاکستان کو مضبوط اور طاقت ور اس لیے بنانا چاہتے ہیں کہ اہل پاکستان بھی محفوظ اور باوقار زندگی سے شاد کام ہو سکیں اور ہم امت مسلمہ کے لیے تقویت کا باعث ہوں اور اس کی عزت و وقار میں اضافے کا ذریعہ نہیں۔

۳۔ عالمی سیاست جس رخ پر دنیا کو لے جا رہی ہے اس میں پاکستان اور امت مسلمہ کی آزادی اور نظریاتی اور تہذیبی تشخص کی حفاظت' اجتماعی خود انحصاری کے اصول پر اپنی ترقی اور استحکام ہی میں ممکن ہے۔ ہم دنیا کا حصہ ہیں اور اس سے کٹنے (isolation) کا کوئی سوال نہیں لیکن بڑی طاقتوں کا بے جان مہرہ بن کر نہ ہم اپنی آزادی کو محفوظ رکھ سکیں گے اور نہ نظریاتی اور تہذیبی تشخص کو۔ اس لیے بیرونی دنیا کی محتاجی کو کم سے کم تر کرنا اور خود انحصاری کی بنیاد پر اپنے ملکی اور بالآخر ملی وسائل کی ترقی ہی میں روشن مستقبل کے امکانات مضمر ہیں۔

۴۔ شریعت اور قانون کی بالادستی' انسانی حقوق کا تحفظ' جمہوری اور شورائی نظام کا قیام' عدل و انصاف اور امن و امان کا حصول' سیاسی اور صحافتی آزادیوں کا احترام' عدلیہ کی آزادی' مبنی بر انصاف احتساب اور جواب دہی کے نظام کا قیام' صاف ستھری سیاست اور استحصال اور ظلم سے پاک معیشت کا قیام اور ملک و ملت کے تمام ارکان و عناصر کے لیے باعزت زندگی کے تمام مواقع کی منصفانہ فراہمی کو ہمارے اجتماعی نظام کی شناخت ہونا چاہیے۔

۵۔ اخروی کامیابی اور پوری دنیا میں انسانی زندگی کی اخلاقی بنیادوں پر تشکیل جدید کا انحصار بالآخر امت مسلمہ کی اپنی نظریاتی اور تاریخی بنیادوں پر منظم ہونے اور ترقی کرنے پر ہے۔ پاکستان اور تمام مسلمان ملکوں کے لیے ضروری ہے کہ ایک طرف اخلاقی اور

نظریاتی حیثیت سے اپنی شیرازہ بندی کریں تو دوسری طرف معاشی، مادی، فنی، عسکری، سائنسی، علمی، سیاسی اور تہذیبی میدانوں میں وہ قوت حاصل کریں کہ دنیا کے سامنے ایک نیا نمونہ اور مثالیہ (paradigm) آسکے۔

انھی اہداف کی طرف پیش قدمی کے لیے برعظیم کے مسلمانوں سے تحریک پاکستان برپا کی تھی اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو اسی خواب کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے یہ ملک وجود میں آیا تھا۔

دس نکاتی لائحہ عمل: ۲۸ مئی ۱۹۹۸ کے تاریخی اقدام نے ایک بار پھر اس قوم کو اپنی اصل منزل کی طرف پیش قدمی کرنے کا زریں موقع دیا ہے اور وہ حالات رونما ہوئے ہیں جن سے بھرپور استفادہ کر کے قومی زندگی کے بالکل ایک نئے باب کا آغاز کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے جن اہم چیزوں کی ضرورت ہے، ہم یہاں ان کی نشان دہی کر رہے ہیں اور قوم اور اس کی قیادت کو دعوت دیتے ہیں کہ اپنے ذاتی مفادات اور گروہی تعصبات سے بالا ہو کر ان تاریخی امکانات کو حقیقی بنانے کی سعی کریں جو آج ہمارے سامنے ہیں اور دعوت عمل دے رہے ہیں۔

۱۔ جوہری دھماکے نے قوم کو ایک نئی امنگ اور جذبہ ہی نہیں دیا، اسے ایک بار پھر متحد کر دیا ہے۔ بڑی بدقسمتی ہوگی اگر حکومت کی عاقبت نااندیش کارروائیاں اس اتحاد کو پھر منتشر کرنے کا ذریعہ بن جائیں۔ یہ وقت ذاتی اقتدار کی دوڑ کا نہیں اور نہ سیاسی حساب کتاب درست کرنے کا ہے۔ اگر سیاسی قیادت ذرا بھی ہوش مندی سے کام لے تو بہ آسانی تمام تعمیری قوتوں کو ایک متفقہ ایجنڈے پر جمع کیا جا سکتا ہے اور ساری قومی صلاحیتوں کی تعمیرو ترقی کے لیے وقف کیا جا سکتا ہے۔ دل خون کے آنسو روتا ہے کہ اس زریں موقع کو ضائع کیا جا رہا ہے اور نہایت سہل انگاری کے ساتھ ایسے مسائل اٹھائے جا رہے ہیں کہ قومی اتحاد پارہ پارہ ہو جائے، صوبائی تعصبات کو بھڑکایا جائے اور علاقائی رنجشوں کو ہوا دی جائے۔ اگر ہم نے یہ موقع ضائع کر دیا تو تاریخ ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گی اور ڈر ہے کہ کہیں ہم اللہ کے غضب کو دعوت نہ دیں۔ العیاذ باللہ۔

۲- قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے امن و امان کی صورت حال پر فوری قابو پانے کی ضرورت ہے۔ دشمن، ملک کو اندرونی مشکلات اور تنازعات میں مبتلا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا لیکن ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم دشمن کے اس کھیل میں شریک نہ ہوں بلکہ قوم کو بیدار کریں اور ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی صفیں آراستہ کریں۔ جس انداز میں اور دستور کی جن دفعات کے تحت ایمرجنسی نافذ کی گئی ہے وہ کوئی نیک فال نہیں۔ اگر حکومت کو کچھ مالی اور معاشی معاملات کو قابو میں رکھنے کے لیے کچھ اختیارات درکار تھے تو دستور ہی کے تحت دوسرے ذرائع سے حاصل کیے جاسکتے تھے۔ اس کے لیے بنیادی حقوق کو معطل کرنا اور عدالتوں کو بے اختیار بنانا ہرگز ضروری نہیں تھا۔ اس کی جلد تلافی ہونی چاہیے، ورنہ یہی خطرہ ہے کہ ملک جلد ہی کسی نئی سیاسی کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا اور قومی اتحاد اور تعمیر نو کے لیے جو زریں موقع ہاتھ آیا ہے وہ خدانخواستہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

۳- ایسی قومی مشاورت کا فی الفور انتظام ہونا چاہیے جو محض ٹی وی، ریڈیو یا اخبارات کی آرائش کے لیے نہ ہو بلکہ دلوں کو جوڑنے، قومی امور پر گہرائی میں جاکر مشورہ کرنے اور مل جل کر مشترک مسائل اور خطرات کا حل تلاش کرنے کے جذبے سے کام کرے۔ اس کے لیے ابتدا حکومت کو کرنی چاہیے۔ یہ کام ۲۸ مئی کے فوراً بعد ہونا چاہیے تھا۔ اگرچہ بہت تاخیر ہو گئی ہے لیکن ابھی موقع ہے، شاید پھر یہ موقع بھی باقی نہ رہے۔ قوم کے سینئر افراد کو بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔

۴- خارجہ پالیسی کو واضح اور مربوط انداز میں مرتب کرنے اور اس کے موثر نفاذ کے لیے فوری اقدام درکار ہیں۔ ستم ظریفی ہے کہ ایسے نازک وقت پر وزیر خارجہ کی حیثیت بھی واضح نہیں کہ وہ استعفیٰ یا re-assignment کے بعد محض نگراں **(care taker)** کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں یا کسی اور پوزیشن میں ہیں۔ ہمیں اس امر کے اظہار میں کوئی تکلف نہیں کہ برسوں بعد پہلی بار وزارت خارجہ کے ترجمان اور اس کی وزیر کے ایسے بیان اس زمانے میں آئے ہیں جو قومی امنگوں سے ہم آہنگ اور بیورو کریسی کے

روایتی انداز سے مختلف ہیں۔ لیکن یہ ایک وقتی چیز نہیں ہونی چاہیے۔ نئے حالات کی روشنی میں خارجہ پالیسی کی تشکیل نو کو اولیں ترجیح دینے کی ضرورت ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب امریکہ اور بڑی طاقتیں خود پریشان ہیں کیوں کہ ان کی اب تک کی حکمت عملی ناکام رہی ہے اور وہ نئے اقدام (initiatives) کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ پابندیوں کی سیاست بار آور نہیں ہو سکتی۔ این پی ٹی اور سی ٹی بی ٹی غیر موثر ہو گئی ہیں۔ جوہری بحث کا ایشو بدل گیا ہے۔

اب مسئلہ عدم پھیلاؤ کا نہیں، بلکہ بالکل ایک نئے جوہری توازن کا ہے۔ نیز خود جوہری ہتھیاروں پر چند ممالک کی اجارہ داری اور ان کو تلف کرنے کے بارے میں بڑی طاقتوں کی منافقانہ روش موضوع بحث بن گئی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ میڈلین البرائٹ کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے کہ اس مسئلے پر زیادہ دیر خاموشی ممکن نہیں اور کچھ نہ کچھ کرنا ہو گا۔ کشمیر کا مسئلہ عالمی سطح پر ابھر کر سامنے آیا ہے۔ شرق اوسط میں نام نہاد امن کی امریکی پالیسی دم توڑ رہی ہے۔ اس پس منظر میں جوہری تجربات نے خود شرق اوسط کے لیے نئی صورت حال پیدا کر دی ہے۔ شمالی کوریا نے برملا کہہ دیا ہے ہے کہ جانب داری اور امتیازی پالیسی ختم کرو ورنہ میزائل کی تجارت سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ چین نے نئے تجربات کے امکانات کا اشارہ دے دیا ہے۔

مشرقی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے معاشی بحران نے نئی کروٹ لی ہے اور اب ایک طرف جاپان اور چین اس کی زد میں آ گئے ہیں اور دوسری طرف اس کے اثرات امریکہ اور یورپ پر نمایاں ہونا شروع ہو گئے ہیں۔ یہ بڑا ہی فیصلہ کن وقت ہے۔ اس وقت ایک موثر خارجہ پالیسی کی ضرورت ہے جس میں ایک طرف پاکستان کے موقف کو بڑے مضبوط اور فیصلہ کن انداز میں پیش کیا جائے اور دوسری طرف امت مسلمہ کو ایک عالمی ایجنڈے پر متحد کیا جا سکے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے کہ ہم ان تمام معاملات اور ایشوز کو موثر انداز میں بین الاقوامی بنائیں اور دوسروں کو اس عمل میں شریک کریں تاکہ ان کے حل کے لیے مناسب فضا پیدا ہو سکے۔ آج وہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے، جس کی طرف اقبالؒ نے اشارہ

کیا تھا۔

جہاں نو ہو رہا ہے پیدا' وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ!

اگر ہم تساہل یا الجھن کا شکار ہو گئے تو یہ تاریخی موقع ہاتھ سے نکل جائے گا یا دوسرے فائدہ اٹھالیں گے۔

۵۔ پاکستان کی ایٹمی پالیسی کو بھی' اس وقت بڑے واضح انداز میں مرتب کرنے اور اسے موثر طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے اہم پہلو درج ذیل ہیں:

(الف) دنیا کو' ایشیا کو اور جنوبی ایشیا کو ایٹمی ہتھیاروں سے پاک بنایا جائے۔ اصل مسئلہ ایٹمی اسلحے کے اتلاف کا ہے اور یہ کام ان تینوں سطحوں پر درکار ہے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم (initiative) ہمارا ہو اور عالمی اور علاقائی سطح پر ضروری کارروائیاں کی جائیں۔ پاکستان اور بھارت اب ایٹمی ممالک ہیں اور ان کی اس حیثیت کو' دنیا کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ شترمرغ کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے کام نہیں چل سکتا۔ البتہ یہ ہمارا کام ہے کہ عالمی گفتگو اور موضوع بحث کو بدلنے کی بھرپور جدوجہد کریں اور امریکہ پر عالمی دباؤ کو اتنا بڑھائیں کہ اسے ایجنڈا تبدیل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے۔

اس سلسلے کے چار اہم معاہدات:

(i) Non. Proliferation Treaty (NPT)

(ii) Comprehensive Test Ban Treaty (CTBT)

(iii) Missile Technology Control (MTCR)

(iv) Fissile Material Cut Off Convention (FMCC)

کئی اعتبار سے ازکار رفتہ ہو گئے ہیں۔ ان سب پر نئی گفتگو اور کسی نئے عالمی معاہدے اور نظام کار کی تیاری کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے بھی ہمیں' چین اور مسلم ممالک کے مشورے سے نیا اقدام (initiative) کرنا چاہیے۔ یہ وقت کی ضرورت ہے۔

(ج) پاکستان میں قومی سلامتی اور جوہری نظام کو دفاعی نظام میں ضم کرنے کے لیے

ضروری اقدامات۔

(د) جوہری دھماکوں کے منطقی تقاضوں۔۔۔ یعنی محدود اور متعین اسلحہ سازی، ترسیلی نظام کی مزید ترقی، نگرانی اور جاسوسی کے نظام کو بہتر بنانا اور تنسیق و تحکیم کے نظام کا استحکام۔

(ہ) عالمی سطح پر مذاکرات ضرور شروع کیجیے اور اس میں پہل کیجیے لیکن اپنی پوری تیاری سے پہلے کسی معاہدے میں شرکت کی غلطی ہرگز نہ کریں۔ ہمیں وقت کی ضرورت ہے اور اس وقت کے صحیح استعمال کی فکر بھی ضروری ہے۔

(و) جو افراد سی ٹی بی ٹی پر دستخطوں میں پہل کا مشورہ دے رہے ہیں، وہ غلطی پر ہیں۔ اس معاہدے میں بڑے جھول ہیں جن کی اصلاح اور اپنے مفادات کے تحفظ کی ضمانت کے بغیر اس پر دستخط مہلک ہو سکتے ہیں۔ ہاں بات چیت ضرور شروع کریں اور اس کے لیے اپنی تیاری (home work) ذرا سلیقے سے کریں۔

(ز) پہلے حملہ کرنے پر پابندی کے کسی معاہدے پر ہرگز بات چیت نہ کریں۔ یہی ہمارا سودا بازی کا اصل ہتھیار اور قابل اعتبار سد جارحیت کا اہم جزو ہے۔ یہ کام اخباری بیان بازی کا نہیں، گہرے سوچ بچار، ٹھوس تحقیق اور سمجھ داری سے اپنی ایٹمی پالیسی کی تشکیل کا ہے۔ یہ کام محض سیاست دانوں کے کرنے کا نہیں۔ سائنس دانوں، بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین، فوجی قیادت اور وزارت خارجہ کے تجربہ کار افراد کے مشورے سے، قومی قیادت کو ایٹمی پالیسی مرتب کرنا چاہیے۔

۶۔ کشمیر پالیسی اور اس کے اہداف کو حاصل کرنے کے لیے، مختلف محاذوں پر کرنے کے کاموں کا تعین، اور اس کے لیے عملی اقدامات بھی وقت کی ضرورت ہیں۔ اپنے اصولی موقف سے سرمو انحراف تباہ کن ہو گا۔ گو عالمی سطح پر کشمیر کے مسئلے کا ذکر ہو رہا ہے اور حل کی بات بھی ہو رہی ہے لیکن اس میں تین بنیادی چیزوں کی کمی ہے:

الف۔ اقوام متحدہ کی قراردادوں کے فریم ورک میں مسئلے کا حل۔

ب۔ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل اور مذاکرات کے عمل میں مقبوضہ کشمیر

کی معتمد علیہ قیادت (حریت کانفرنس) کی شرکت۔

ج۔ دو طرفہ مذاکرات کی ناکامی یا ان کے نتیجہ خیز نہ ہونے کی وجہ سے کثیر طرفی (multi-lateral) مذاکرات یا تیسری پارٹی (اقوام متحدہ / بین الاقوامی شرکت بطور ثالث' یا کم از کم گواہ) تاکہ بھارت کو گھیرا جاسکے۔

ان تینوں امور کو اجاگر کرنے اور عالمی رائے کو ان کے حق میں ہموار کرنے کی ضرورت ہے۔ بھارت اور پاکستان کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر دو طرفہ مذاکرات سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ وقت ہے کہ اس بات کا کھل کر اظہار کیا جائے اور مسئلے کو کلی طور پر بین الاقوامی بنایا جائے۔

سب سے اہم چیز مقبوضہ کشمیر میں تحریک مزاحمت کی مکمل اور جرات مندانہ مدد ہے۔ یہ مدد اخلاقی اور سفارتی بھی ہو اور عملی اور مادی بھی۔ اس میں پوری قوم کی شرکت بہت ضروری ہے اور اس کے لیے موثر تحرک (mobilisation) ہونا چاہیے۔ عالمی سفارتی محاذ پر کام اور تحریک مزاحمت کی مدد' ہماری کشمیر پالیسی کے دو بنیادی ستون ہیں اور ان دونوں کو کشمیر پالیسی میں برابر کی اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔

۷۔ ملکی معیشت کی خود انحصاری کی بنیاد پر تعمیر نو بھی وقت کا اہم ترین چیلنج ہے۔ قرضوں اور سود کی معیشت پر مبنی معاشی ترقی کی حکمت عملی کی عمارت زمین پر آ رہی ہے۔ اس کی عبرت ناک ناکامی کے بعد اب بھی کسی نہ کسی ڈھکی چھپی شکل میں نئے قرضوں ہی کی امید پر مہلت حیات کی تلاش حماقت ہی نہیں مکمل تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ یہ وقت معیشت میں بنیادی اور انقلابی تبدیلیوں کا ہے۔ مراعات یافتہ' مفاد پرستی کے نظام کو یکسر ختم ہونا چاہیے۔ مزید قرضوں پر قانونی پابندی لگنی چاہیے۔ سودی نظام کو ختم کرنے کے عمل کا فوری آغاز ہونا چاہیے اور اس کے لیے خود انحصاری کمیٹی (۱۹۹۱) کی سفارشات کی روشنی میں خود انحصاری قانون لاگو ہونا چاہیے تاکہ اس سے انحراف ممکن نہ رہے۔ راجا ظفر الحق نے سود کو ختم کرنے کے لیے جو منصوبہ بنایا ہے اور وہ بڑا حقیقت پسندانہ اور فنی اعتبار سے اعلیٰ درجے کا ہے۔ افسوس ہے کہ حسب سابق' وزارت خزانہ

اور اسٹیٹ بنک اس کی راہ میں حائل ہیں اور ایک سال ہونے کو آ رہا ہے اس سمت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے۔ اس رپورٹ پر عمل در آمد کو اولین اہمیت دینی چاہیے اور اس پورے عمل کی نگرانی کے لیے کمیٹی ہی کے ارکان پر مشتمل ایک بااختیار مستقل کمیشن یا Prime Minister Council of Economic Advisors بنی چاہیے تاکہ یہ کام وزارت خاجہ کے افسروں کے چنگل سے نکالا جا سکے اور ایک شفاف انداز میں قوم کو اعتماد میں لے کر اسے انجام دیا جائے۔ اس کے لیے اسٹیٹ بنک کو بھی نئی ہدایات ملنی چاہییں۔ اسے مزید آزادی دینے کی ضرورت ہے تاکہ وہ سیاسی مداخلت کے بغیر بنک کاری کے نظام کی نگرانی، رہنمائی اور احتساب کر سکے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ گورنر کی مدت ملازمت بڑھائی جائے اور اسے ناقابل توسیع (non-extendable) قرار دیا جائے۔ نیز ماہرین پر مشتمل کمیٹی، بڑی حد تک بنک آف انگلینڈ کی کمیٹی کے نمونے پر بنائی جائے تاکہ ایک بااختیار ادارہ خالص پیشہ ورانہ انداز میں سیاسی مصلحتوں کے دباؤ کے بغیر مرکزی بنک کاری کی ذمہ داریاں ادا کر سکے اور مقاصد کے حصول کی کوشش اور طے شدہ اصول کار پر عمل کر سکے جو اچھی بنک کاری، قرضوں کی واپسی اور سود کی خاتمے کے سلسلے میں طے کیے جائیں۔

معاشی خود انحصاری کے حصول کی حکمت عملی میں زراعت کی ترقی، چھوٹی صنعت اور کاروبار کو قرار واقعی مراعات اور incentives کی فراہمی، بنک کاری کی اصلاح اور آسان شرائط پر سرمایہ کاری کی سہولتوں کا اہتمام، بااختیار ٹیرف کمیشن کا قیام، نج کاری کمیشن اور پالیسی اور در آمدی بر آمدی پالیسی کی تشکیل نو ضروری ہے۔ یہ سارے کام کسی تاخیر کے بغیر ہونے چاہییں۔

۸۔ مندرجہ بالا امور و معاملات کے ساتھ ہماری نگاہ میں احتساب کے نظام کو غیر جانب دار اور موثر بنانا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح ملک کے عدالتی نظام کی آزادی کے ساتھ ساتھ اس میں خالص میرٹ پر سیاسی جنبہ داری سے پاک اتنی تعداد میں تقرریاں ضروری ہیں کہ لوگوں کو انصاف جلد میسر آ سکے۔ احتساب کی مشینری کو بھی دنیا کے

دوسرے ممالک کی طرح کلی طور پر آزاد ہونا چاہیے اور آزاد اور بااختیار پبلک پرازی کیوٹر کو عدالتی احتساب کمیشن کا حصہ ہونا چاہیے۔ اس کا کوئی تعلق وزیراعظم یا کسی سیاسی دفتر سے نہیں ہونا چاہیے اور اس کا کام بھی شفاف ہونا چاہیے۔

۹۔ جاگیرداری اور بڑی زمینداری کا خاتمہ اسلامی اصولوں کے مطابق بہت ضروری ہے' لیکن جہاں یہ کام اور زندگی کے دوسرے شعبوں کو ارتکاز دولت و قوت سے پاک کرنے کا موثر انتظام ضروری ہے' وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ پورا کام عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق انجام پائے اور اسے سیاسی انتقام کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ کالاباغ ڈیم کا مسئلہ علاقائی یا صوبائی نہیں' قومی ہے اس کا فیصلہ سیاسی رسہ کشی کے ذریعے نہیں بلکہ خالص فنی بنیادوں پر ملک و ملت کے بہترین مفاد میں کیا جانا چاہیے۔ نیز اس پر سیاسی کشتیاں نہ لڑی جائیں بلکہ حقیقی اور مخلصانہ مشاورت کے ذریعے اس پر اتفاق رائے مہیا کیا جائے۔

۱۰۔ یہ سارا کام اس وقت کامیابی سے انجام پا سکتا ہے جب افراد ملت کی اخلاقی تعلیم و تربیت ہو' ملک کے تعلیمی نظام کی نظریاتی اور ملی بنیادوں پر تشکیل نو ہو' ریڈیو' ٹی وی اور میڈیا کی قوت کو تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے' آزادی اظہار کا احترام کیا جائے اور ملی ثقافت اور تہذیبی شعائر کو فروغ دیا جائے۔ قوم میں ایمانی جذبہ کو بیدار کیا جائے اور اپنا صحیح مقام حاصل کرنے کے لیے جدوجہد' قربانی اور قوت کے حصول کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں جذبہ جہاد بیدار کیا جائے' اس لیے اسلام کا تصور جہاد محض میدان جنگ تک محدود نہیں' اگرچہ اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ تو پوری زندگی کا ایک انقلابی تصور دیتا ہے جس کے تحت انسان مقصد حیات اور اعلیٰ اقدار کے لیے اپنی قوت کی ہر رمق صرف کرنے کی ہمہ گیر جدوجہد کرتا ہے' قوت حاصل کرتا ہے اور قوت کو انصاف کے قیام اور ادائے حق کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جوہری دھماکے کا بھی اصل پیغام یہی ہے۔ ملت کا ہر فرد اور قوم بحیثیت مجموعی ادائے فرض کے لیے کمربستہ ہو جائے اور وقت کے دھارے کو موڑنے کی جدوجہد کو کامیاب کر کے جان اور مال کی بازی لگا دے بہ قول

اقبال :

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

(ترجمان القرآن' جولائی ۱۹۹۸ء)